دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

اپریل تا جون 2018ء / رجب المرجب تا رمضان المبارک 1439ھ جلد نمبر 10 شمارہ نمبر 2 رجسٹرڈ نمبر 370-S

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

بابصیرت شخصیت

’’حکمت و بصیرت میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپؒ کی گفتگو میں اس حدیثِ مبارک کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ ’’اتّقوا فراسة المؤمن، فإنّه ينظر بنور الله.‘‘ (مؤمن کی فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔)

آپؒ کا تجزیہ گہری بصیرت کا حامل ہوتا تھا۔ آپؒ غلبہ دین کے لیے سیاسی بصیرت اور روحِ عصر سے آگاہی کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ اس حوالے سے جذباتیت اور مرعوبیت سے کوسوں دور تھے اور بڑے سے بڑے مجمع سے متأثر نہیں ہوتے تھے۔ وہ نہایت گہری بصیرت رکھتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کو چند شاگرد یا مرید میسر آجائیں تو وہ بڑے بڑے منصوبے بنانے لگتا ہے اور فوراً ایک جماعت رجسٹرڈ کرا کر پریس کانفرنس کر ڈالتا ہے۔ حضرتؒ اس طرح کے رومانوی ایڈوینچرز سے بہت دور تھے۔ وہ نہایت ٹھنڈے دل اور حقیقت پسندی کی نگاہ سے صورتِ حال کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور حالات سے باخبر رہتے تھے۔‘‘

(حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ؛ شخصیت اور فکر، صفحہ 92)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

اپریل تا جون 2018ء / رجب المرجب تا رمضان المبارک 1439ھ — جلد نمبر 10 شمارہ نمبر 2 — رجسٹرڈ نمبر 370-S

بانی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید

مجلس ادارت

سرپرست: پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: مولانا محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

☆ مفتی محمد اشرف عاطف	سعودی عرب	☆ ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی	سکھر	☆ پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر	اسلام آباد
☆ مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد ناصر	جھنگ	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید اختر	اسلام آباد
☆ مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب	☆ پروفیسر قاضی محمد یوسف	حسن ابدال
☆ مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکارپور	☆ پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شمارہ : -/150 روپے

سالانہ زرِتعاون -/600 روپے

شعبۂ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

Ph: 0092-42-36307714 , 36369089 - Web: www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے شائع کیا۔

فہرست مقالات

اداریہ

حرفِ اوّل — مدیرِ اعلیٰ — 3

مطالعۂ سیرت

واقعاتِ سیرت اورولادت ووفاتِ نبویؐ کی صحیح تقویم — تحریر: پروفیسر ظفر احمد ☆ — 5

مطالعۂ تاریخ

تحریکِ ریشمی رومال سے متعلق اہم دستاویزات
غالب نامہ اور دیگر اہم خطوط (متن واردو ترجمہ) — تحقیق وترجمہ: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری ☆ — 23

شخصیات

ایک متوازن اور معتدل راہ
(ایمان کی آغوش تک پہنچنے کی سرگزشت) — تحریر: اقبال النساء☆ — ترجمہ: حافظ محمد طاہر، لاہور — 47

شخصیات

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
شخصیت اور فکر — تحریر: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن ☆ — 83

مکتوبات

مشائخ رائے پور کے نام
اکابر علما ومشاہیر کے مکاتیبِ گرامی — ترتیب وتدوین: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری — 107

تعارف مقالہ نگار

☆ پروفیسر ظفر احمد — سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر S.E کالج بہاولپور وسابق وزیٹر لیکچرر فلسفہ وعلم الکلام اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

☆ مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری — ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور و مسند نشین سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور

☆ اقبال النساء — اہلیہ حضرت مولانا سیّد عزیز گل کاکاخیلؒ (اسیرِ مالٹا)، سخاکوٹ، مردان

☆ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن — سابق پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اداریہ

حرفِ اوّل

قومی آزادی کی جدوجہد اور حریت کیشی قوموں کی زندگی میں توانائی اور طاقت وقوت پیدا کرتی ہے۔ غلامی قوموں کے قوائے اجتماعی کو مضمحل اور منتشر کر کے رکھ دیتی ہے۔ آزادی اور حریت سے قومیں اقوامِ عالم میں اپنی ایک شناخت اور امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اسی لیے ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک اولوالعزم انسانوں نے انسانی آزادی اور قومی ترقی کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔ بالخصوص انبیا علیہم السلام اور اُن کے سچے جانشین و وارثین نے قوموں کو غلامی سے نجات دلانے، آزادی اور حریت سے ہم کنار کرنے اور انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مخلصانہ بندہ بنانے کے لیے عظیم جدوجہد اور قربانیاں دی ہیں۔ دینی تعلیمات میں شرک اور کفر اسی لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ وہ انسانی آزادی کو سلب کرتا ہے۔ شرک اور کفر ہی کی وَجہ سے انسان خدا کے سوا دیگر اشیائے کائنات کی قید اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ اسی لیے ان زنجیروں کو توڑ کر خدائے واحد کی عظمت اور اُس کی ہیبت وجلال انسانی دل و دماغ میں سربلندی، سرشاری اور آزادی اور حریت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

برعظیم پاک و ہند جب برطانوی سامراج کا غلام بنا اور یورپین بھیڑیوں نے اس خطے پر ظالمانہ نظام مسلط کرتے ہوئے اس کے وسائل کو لوٹا اور یہاں کی اقوام پر غلامی مسلط کی تو اس خطے کے حریت پسند علمائے ربانیین اور رہنمایانِ قوم نے قومی آزادی کی جدوجہد بڑے عزم اور ولولے کے ساتھ لڑی۔ انھوں نے آزادی اور حریت کے لیے قربانیاں دیں۔ اس کے لیے تحریکات برپا کیں۔ تیتو میر کی تحریکِ آزادیٔ بنگال اور شیرِ میسور ٹیپو سلطان کی جدوجہدِ آزادی سے لے کر 1947ء تک بہت سی ایسی تحریکات برپا ہوئیں کہ جنھوں نے اس خطے کی آزادی کی منزل کو قریب سے قریب تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس تحریک نے اس خطے میں جذبۂ آزادی کا ولولہ پیدا کیا۔ غلامی سے نجات کے لیے ہر ممکن جدوجہد اور کوشش کی۔ اس تحریک کے سرخیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور قطبِ عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ رہے۔ ان حضراتؒ کی قیادت میں علمائے ربّانیین اور رہنمایانِ قوم نے وطن کی آزادی کے لیے عظیم جدوجہد اور کوشش کی۔ نامساعد حالات کے باوجود ان کے عزم اور حوصلے میں کمی نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے تاریخ کے ریکارڈ میں اس حقیقت کو درج کرایا ہے کہ قومی آزادی کے لیے ہر ممکن حد تک تمام ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنا اور آزادی کے حصول کے لیے کوشش کرنا انسانیت کی ضرورت اور دینی تقاضا ہے۔

اس شمارے کا دوسرا اہم مقالہ آزادیٔ ہند کے حوالے سے تحریکِ ریشمی رومال سے متعلق چند اہم دستاویزات اور مکتوبات کے اصل تحقیقی متن اور اُردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ یہ دستاویزات اس سے قبل اگرچہ ناقص صورت میں بعض کتابوں میں چھپی ہیں، اب ان کا مکمل تحقیقی متن اور اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ان دستاویزات اور مکتوبات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ ریشمی

رومال سے وابستہ علمائے ربّانیّین نے خلافتِ عثمانیہ، حکومتِ افغانستان اور یاغستان کے آزاد قبائل کی اجتماعی طاقت سے اس خطے کے عوام کو آزادی دلانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ قبائل کے سرداروں سے رابطے کیے ہیں۔ اُن کو ایک اجتماعی لڑی میں پرویا ہے۔ یاغستان کے آزاد قبائل کے قرار واقعی حالات کا تجزیہ کیا ہے اور درست حکمتِ عملی کی نشان دہی کی ہے۔ اس علاقے میں اس تحریک کے روحِ رواں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کی جدوجہد سے افغانستان کی حکومت کو آزادی حاصل ہوئی اور ایک معاہدے کے تحت آئندہ دس سال میں برعظیم پاک و ہند کی آزادی کا وعدہ کیا گیا۔ ان دستاویزات کی یہ پہلی قسط ہے، جب کہ دوسری قسط آئندہ شمارے میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

اس شمارے کا پہلا مقالہ ''واقعاتِ سیرت اور ولادت و وفاتِ نبویؐ کی صحیح تقویم'' ہے۔ اس اہم مقالے کے مطالعے سے نہ صرف حضورؐ کی تاریخِ ولادت اور وفات کی حقیقی نوعیت سامنے آجاتی ہے، بلکہ سیرتِ نبویہؐ کے بہت سے اہم واقعات کے حوالے سے تاریخی تعارضات کا شافی حل بھی سامنے آتا ہے۔ تقویمِ شمسی اور تقویمِ قمری کے تطابق سے بہت سی احادیثِ نبویہؐ میں درج تاریخوں کے تضاد کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ حضور اقدسؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خالص قمری تقویم اختیار کی، جس سے مشرکینِ مکہ کی جانب سے ماہ و سنین میں ''نسیء'' کے ذریعے سے حاصل ہونے والے سرمایہ پرستی کے مفادات پر سخت زد پڑی اور عام انسانیت نے سکھ کا سانس لیا۔ یقیناً علمی طور پر غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس مقالے کی اہمیت مسلمہ رہے گی۔

اس شمارے کا تیسرا مقالہ تحریکِ ریشمی رومال کے ایک اہم کردار حضرت مولانا سیّد عزیز گل کاکاخیلؒ کی اہلیہ محترمہ اقبال النساءؒ کی ایک اہم تحریر پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ انھوں نے انگریزی زبان میں "THE BALANCED WAY" کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جس میں انھوں نے اپنے سوانحی حالات اور اپنے ذہنی اور علمی سفر کے دوران عیسائیت، فلسفہ مغرب اور ویدانت فلاسفی سے گزرتے ہوئے اپنے اسلام قبول کرنے تک کی روئیداد بیان کی ہے۔ اس مقالے میں انھوں نے نہایت علمی انداز میں اپنی ذہنی اُلجھنوں اور عقلی سوالات کے اسلامی نقطہ نظر سے صحیح جوابات قلم بند کیے ہیں۔ پھر اسلام کے اعلیٰ اَخلاق اور بنیادی افکار و اعمال کے فلسفے کو بھی نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس مقالے کا اُردو ترجمہ جناب حافظ محمد طاہر (لاہور) نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے۔ اس مقالے کو عنوانات اور حوالہ جات و حواشی کے ساتھ مرتب کر کے اس شمارے کی زینت بنایا جا رہا ہے۔

اس شمارے کا چوتھا مقالہ پاکستان میں تحریکِ ریشمی رومال سے وابستہ علمائے ربّانیّین کے وارث اور مشائخ رائے پور کے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید کی شخصیت اور فکر سے متعلق اہم گوشے بے نقاب کرتا ہے۔ اس مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے حضرتؒ کی پُرعزم اور بارُعب شخصیت کے نمایاں اور روشن پہلو واضح کیے ہیں۔ آپؒ کے افکار و خیالات اور اُن کے علمی و عملی منہج کی نشان دہی کی ہے۔ دور کے مروّجہ طور طریقوں سے ہٹ کر خیر القرون کی شخصیات سے متأثر حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی انقلابی زندگی کے جامع کردار کی وضاحت کی ہے۔ اس طرح یہ مقالہ حضرتؒ کے افکار و خیالات کو بڑے مرتب انداز میں پیش کرنے کی ایک اہم ترین کاوش ہے۔

اس شمارے کا آخری مقالہ مشائخ رائے پورؒ کے نام مشاہیر کے مکتوبات پر مشتمل ہے۔ یہ اس سلسلے کی تیرہویں قسط ہے، جس میں حضرات مشائخ رائے پورؒ سے وابستہ اُن کے بعض مجازین، متعلقین کے مکتوبات شامل ہیں۔ (مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

مطالعۂ سیرت

واقعاتِ سیرت اور ولادت و وفاتِ نبویؐ کی صحیح تقویم

تحریر: پروفیسر ظفر احمد

(واقعاتِ سیرتِ نبویؐ اور احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہیں کہ اس سلسلے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں، اُن میں واقعات کی تاریخی تعیین کے بارے میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک راوی ایک وقوعے کو ایک مہینے اور سن میں بیان کرتا ہے تو دوسرا راوی اسی وقوعے کو کسی دوسرے ماہ اور سن میں بیان کر رہا ہوتا ہے، جب کہ واقعہ ایک ہی ہوتا ہے۔ تاریخ و سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو ہمیشہ سے یہ مخمصہ پریشان کرتا رہا ہے۔ تاریخی حوالے سے ہی نہیں، بلکہ واقعات سے اخذ کردہ احکامِ شریعت اور آیات کے شانِ نزول کے متعلق بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال رہی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسی کے پیشِ نظر ایک نیا علم دریافت کیا ہے، جسے انھوں نے ''علمِ تطبیق الآراء'' کا نام دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی واقعے کے علم کے حصول کے تین ذرائع؛ عقلِ سلیم، نقلِ صحیح اور کشفِ وجدانی کے ذریعے سے متعلقہ معاملے کے بنیادی امور تک رسائی حاصل کی جائے۔ پھر اس کی روشنی میں مختلف راویوں کی قائم کردہ آرا کا تجزیہ کرکے اصل حقیقت کو سمجھا جائے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ نے آیات کے شانِ نزول، نسخِ آیات اور وحدت الشہود اور وحدت الوجود جیسے معرکۃ الآرا مسائل میں اس علم کی روشنی میں تطبیق دی ہے۔ جس کی تفصیلات شاہ صاحبؒ کی کتابوں اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے ''تکمیل الاذہان'' میں بیان کی ہیں۔

واقعاتِ سیرت کی صحیح تاریخی تقویم کے حوالے سے یہ مقالہ راویوں کے تاریخی تضادات کی درست تفہیم پیش کرتا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس مقالے میں قمری اور شمسی تقویم کی تاریخی نوعیت واضح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تقویمات کا جائزہ لیا ہے۔ بڑے مشہور تاریخی واقعات اور حساباتِ فلکیہ کی روشنی میں تقویمِ شمسی اور تقویمِ قمری کو نہایت خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے حج اور عمرے سے وابستہ اپنے مالی مفادات کی بنیاد پر قمری اور شمسی تقویمات کے مہینوں کو ملا کر ''نسیء'' کی صورت میں جو خودساختہ تقویم پیدا کی تھی، اس کے واقعاتِ سیرت پر ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس طرح انھوں نے خالص قمری تقویم کا تعین کرکے واقعاتِ سیرت کو سمجھنے کا زاویۂ فکر پیش کیا ہے۔ خالص قمری تقویم کے تعین کے نتیجے میں ولادت اور وفاتِ نبویؐ کی صحیح تاریخی تعیین ہوجاتی ہے اور اس سلسلے کے اصل حقائق بھی سامنے آجاتے ہیں۔

اس طرح انھوں نے ولی اللّٰہی اُسلوب پر راویوں کے بیان کردہ ماہ و سن میں موجود تاریخی تضاد کو حل کرتے ہوئے ان کی آرا میں تطبیق پیدا کی ہے۔ اس سے نہ صرف واقعاتِ سیرت کو درست تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ احادیثِ مبارکہ اور اُن کے اخذ کردہ احکامِ شریعت کی تاریخی نوعیت کا بھی درست تعین کیا جاسکتا ہے۔ عالمِ اسلام میں پہلی مرتبہ اس موضوع پر فاضل محقق نے بڑا تحقیقی کام کیا ہے اور تفصیلی مقالات قلم بند کیے ہیں جو مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ اس شمارے میں ہم اس موضوع پر اُن کا یہ مختصر سا مقالہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ ان مقالات کا ایک طرح کا خلاصہ ہے۔ انشاء اللہ آئندہ موقع ملا تو فاضل مقالہ نگار کے تفصیلی مقالات میں سے کچھ مقالات ''شعور و آگہی'' میں پیش کیے جائیں گے۔ مدیرِ اعلیٰ)

www.rahmia.org

مکہ مکرمہ میں قمریہ شمسی تقویم

رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ جس ربیع الاوّل میں ہوئی ہے، وہ ہرگز ہرگز خالص قمری تقویم کا ربیع الاوّل نہیں تھا، بلکہ خالص قمری تقویم کا ربیع الاوّل تو دورِ نبویؐ میں کبھی بھی کسی بھی طرح کی خوشی کا مہینہ نہیں رہا۔[1] اس سلسلے میں مختصراً عرض ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہ قول ابوریحان البیرونیؒ اور امام رازیؒ وغیرہ قمری کے بجائے یہودی طرز پر ''قمریہ شمسی'' تقویم چل رہی تھی، جسے عربوں نے کوئی دوسو سال قبلِ ہجرت سے اختیار کر رکھا تھا۔ اسی کو (قرآنی الفاظ میں) ''نَسِیءُ'' (مہینوں میں کمی بیشی کی رسم) والی تقویم کہا جاتا ہے۔ اس میں اُنیس قمری سالوں میں سال ہائے نمبر 3، 6، 8، 11، 14، 17، 19 یعنی سات سال تیرہ تیرہ ماہ کے لیے جاتے تھے، تاکہ مہینے شمسی سال کے مہینوں کی طرح موسموں کے مطابق رہیں۔

میطونی دور کا تقویمی نظام

کوئی 500 قبل مسیح میں ایک یونانی ماہر ہیئت میطون نے یہ دریافت کیا تھا کہ 235 قمری مہینوں کی دنوں میں مدت 19 شمسی سالوں یعنی 228 شمسی مہینوں کی دنوں میں مدت کے برابر ہوتی ہے۔ اس کی یہ بات درست ہے، فرق صرف کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا پڑتا ہے۔ اسی لیے اُنیس شمسی سالوں کو ''میطونی دور'' کہا جاتا ہے۔ قمری مہینوں کو موسموں کے مطابق رکھنا ہو تو اُنیس قمری سالوں میں سات سالوں کے بارہ کے بجائے تیرہ تیرہ مہینے لیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کی تقویم یعنی ''عبرانی تقویم'' کا بنیادی ڈھانچہ اب بھی وہی ہے، جو عربوں کے دورِ جاہلیت سے چلا آرہا ہے۔ قمری سال عموماً 354 دنوں کا اور بعض سالوں میں 355 دنوں کا ہوتا ہے، جب کہ شمسی سال اکثر 365 دنوں کا اور لیپ کے سالوں میں 366 دنوں کا ہوتا ہے۔ یوں قمری سال شمسی سال سے اکثر و بیشتر گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اس طرح تین سالوں میں کوئی ایک مہینے کا فرق پڑتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں اس تقویم کو اختیار کرنے کا مالیاتی سبب

یہی وَجہ ہے کہ خالص قمری تقویم کے مہینے 32 شمسی اور 33 قمری سالوں میں تمام موسموں (گرما، سرما، بہار اور خزاں) سے گزرتے ہیں۔ اس سے عربوں کی ذوقعدہ کے مہینے میں عکاظ اور ذوالمجاز کے میلوں کی تجارت سخت خلل پذیر ہونے لگی تو انھوں نے یہودیوں سے ''کبیسہ'' یعنی ''نَسِیءُ'' کا تیرہواں مہینہ مذکورہ حساب کے مطابق بعض قمری سالوں میں بڑھانے کا طریقہ سیکھا۔ ان کا حج ہمیشہ ''قمریہ شمسی'' نہ کہ قمری ذوالحج میں ہوا کرتا تھا۔ عمرے کو وہ ''حج اصغر'' کہتے تھے، جو ہمیشہ رجب ''قمریہ شمسی'' میں ہوا کرتا تھا، جس کا بڑا حصہ عیسوی مارچ کے مقابل اور ذوالحج کا بڑا حصہ عیسوی اگست کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

مدینہ منورہ میں خالص قمری تقویم

یثرب (مدینہ منورہ) میں البتہ خالص قمری تقویم رواں تھی، لیکن چوں کہ حج اور عمرے کی ادائیگی قمریہ شمسی ذوالحجہ اور رجب میں ہوا کرتی تھی، اس لیے پورے جزیرۃ العرب میں قمریہ شمسی تقویم ہی کے شمار میں لائے جاتے تھے۔ محرم ''قمریہ شمسی'' کا بڑا حصہ عیسوی ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین اسی قمریہ شمسی تقویم کو مکہ سے مدینہ لے گئے، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں مدینہ کے لوگوں کی اپنی تقویم قمریہ شمسی نہیں، بلکہ قمری تھی۔ یوں مدینہ میں یہ دونوں تقاویم چلتی رہیں۔

سیرتِ طیبہ کے واقعات کی توقیت کی نوعیت

سیرتِ طیبہ کے کوئی دو تہائی واقعات کی توقیت اہلِ سِیَر و مغازی نے اپنی کتابوں میں ''قمریہ شمسی'' میں اور کوئی ایک تہائی واقعات کی ''قمری تقویم'' میں اور کوئی درجن بھر سے زائد واقعات کی قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں کردی۔ دونوں تقاویم کی نوعیت ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے، لیکن دونوں تقاویم میں مہینوں کے نام محرم تا ذوالحجہ یکساں تھے۔ اس سے زبردست دو تقویمی التباس پیدا ہوا، جس سے اُمت ابھی تک باہر نہیں نکل سکی۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی اسی قمریہ شمسی تقویم ہی کو فوقیت اس لیے حاصل رہی کہ پورے جزیرۃ العرب میں حرمت والے چار مہینے بھی اسی قمریہ شمسی تقویم کے ہی محسوب (شمار) ہوتے تھے۔ یہ امن و امان کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور ان میں کشت وخون کو دورِ جاہلیت کے عرب بھی سخت معیوب اور ممنوع قرار دیتے تھے۔ چوں کہ مکہ اور دیگر علاقوں کے مشرکین عرب کو اسلام کی تبلیغ اور ان سے معاشرتی روابط قائم کرنے میں حرمت والے مہینے ہی موزوں رہتے تھے، اس لیے اس قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع تک برداشت کرنا ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ جب پورے جزیرۃ العرب میں کفر بڑی حد تک مغلوب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لیے منسوخ فرمایا اور آئندہ کے لیے خالص قمری تقویم کو تا قیامت بحال فرمایا۔

خالص قمری تقویم کے مطابق ولادتِ رسولؐ کا مہینہ

خالص قمری تقویم میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاوّل ہرگز نہیں، بلکہ رمضان المبارک ہے، جو تیسری صدی ہجری کے ''ماہر انساب وایام'' زبیر بن بکّار نے بجا طور پر بیان فرمایا تھا۔ دیگر کئی متقدمین نے بھی یہی مہینہ بیان فرمایا تھا، لیکن دوتقویمی پیچیدہ نظام کو سمجھ نہ پانے کی بنا پر اسے ناحق ''قولِ شاذ'' قرار دے کر نظرانداز کردیا گیا۔

9 ہجری میں حضرت ابوبکرؓ کے حج کی صحیح تعیین

اس غلطی کا آپ اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تمام اہل سیر نے ''حجِ ابوبکرؓ'' کو زمانی اعتبار سے مؤخر اور غزوۂ تبوک کو مقدم کیا ہے۔ 9/ہجری کے ذوالحجہ قمری کے مقابل عیسوی مہینہ مارچ 631ء کا ہوتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے مہینے اہلِ سِیَر نے رجب تا رمضان 9 ہجری کے بیان کیے ہیں۔ اس حساب سے یہ اکتوبر، نومبر اور دسمبر 630 عیسوی کے مقابل ہوئے؛ حال آں کہ بالاتفاق یہ غزوہ موسم گرما کا ہے۔ کھجور کی فصل پکنے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ منافقین مسلمانوں کو غزوے سے گرمی کا حوالہ دے کر روکتے تھے۔ سورہ توبہ میں ہے:

''قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ'' (2)

(بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تُو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔)

پس ''غزوۂ تبوک'' یقیناً مؤخر اور ''حجِ ابوبکرؓ'' یقیناً مقدم ہے۔ اہلِ سِیَر نے غزوۂ تبوک کی توقیت ''قمری شمسی'' میں اور ''حج ابوبکرؓ'' کی ''قمری'' میں کردی۔ جس سے یہ مغالطہ لگا۔ مہینوں کے نام چوں کہ دونوں تقاویم میں یکساں تھے، اس لیے خود اہلِ سِیَر کو بھی صحیح علم نہیں ہو پاتا تھا کہ کسی بھی واقعے کا جو مہینہ اور سال وہ بیان کر رہے ہیں تو اس کا تعلق قمریہ شمسی تقویم سے ہے یا قمری سے ہے۔

www.rahimia.org

حضورؐ کی ولادتِ مبارکہ کی صحیح تاریخ

ولادتِ مبارکہ کی بالکل صحیح تاریخ 8/رمضان المبارک 55 قبل ''ہجرت قمری'' بہ مطابق 8/ربیع الاول 53 قبل ''ہجرت قمریہ شمسی'' بہ مطابق 4/نومبر 569 عیسوی جیولین بروز پیر کی ہے۔ اگر ولادتِ مبارکہ کا مہینہ ناحق ربیع الاوّل قمری ہی قرار دیا جائے تو بھی پیر کا دن 9/ربیع الاوّل 53 قبل ''ہجرت قمری'' کو ہوتا ہے۔ 12/ربیع الاوّل کو ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

آج کل تو بچے بچے کے ہاتھ میں ''کیلکولیٹر'' ہے، اس سے حساب کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی معتبر رصد گاہ مثلاً گرین وچ آبزرویٹری سے ''قِرانِ شمس وقمر'' (ولادتِ قمر) کے اوقات لیے جاسکتے ہیں اور انھیں اوقات اور حسابی قواعد کے مطابق 12/ربیع الاوّل 11 ''ہجری قمری'' بہ مطابق 8/جون 632 عیسوی جیولین بروز سوموار بہ مطابق ''مدنی رؤیت ہلال'' آپ کی وفات کا دن ہے، جو اہلِ بیت اور اصحاب کے لیے شدید ترین (پھر دہرایئے) شدید ترین صدمے کا دن تھا۔

اگر ہمیں واقعی اللہ کے رسول سے سچی محبت ہے تو بتایئے کہ 12/ربیع الاوّل کو خوشی منانا کیا آپؐ کی اور آپؐ کے اصحابؓ کی سخت توہین و دل آزاری نہیں ہے۔۔۔؟!! اگر غیر مسلم رسول اللہؐ کی توہین کریں تو وہ ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے، لیکن اگر خود مسلمان ہی آپؐ کی توہین کرنے لگیں تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اسے کیوں کر مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے؟ جہالت اور بے خبری سے کوئی 12/ربیع الاوّل کو عید منائے تو بھی اسے ہرگز بابرکت اقدام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، چہ جائے کہ کوئی جان بوجھ کر ایسا کوئی کام کرے۔ اللہ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور شیطان کے فریب سے بچائے۔ **آمین یا رب العالمین!** اگر اس عید کا کھینچا تانی سے کوئی شرعی جواز پیدا بھی کیا جائے تو یہ ہر سال 8/رمضان المبارک کو منائی جانی چاہیے، کیوں کہ ہماری ہجری تقویم تو خالص قمری تقویم ہے اور قمری ربیع الاوّل میں سِرے سے آپؐ کی ولادت ہوئی ہی نہیں، بلکہ وفات ہوئی ہے۔

www.rahimia.org

سانحۂ رجیع کی تقویمی تصحیح

سانحۂ رجیع؛ (طبقات) ابن سعد اور واقدی کے نزدیک صفر 4 کا واقعہ ہے، عیسوی مہینہ جولائی 625ء کا تھا، اگر ستمبر کے مقابل حسبِ قواعد، محرم ''قمریہ شمسی'' کو رکھا جائے اور آگے چلتے جائیں تو جولائی کے مقابل ذوقعدہ ''قمریہ شمسی'' ہوتا ہے۔ چناں چہ ابنِ حبیب بغدادیؒ اور واقدی نے بھی دوسرے قول کے مطابق اسے ذوقعدہ 3ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اس سانحے میں دشمنوں نے حضرت خُبیبؓ اور زید بن وثنہؓ کو گرفتار کر کے قریشِ مکہ کے پاس فروخت کر دیا تھا۔ اہلِ سیر کے بقول قریشِ مکہ نے انھیں ذوقعدہ، ذوالحج اور محرم کے حرمت والے مہینوں میں قید رکھا۔ پھر صفر 4ھ قمریہ شمسی میں خُبیبؓ کو مصلوب کر کے شہید کر دیا۔

حجۃ الوداع میں قریشِ مکہ کی قمریہ شمسیہ تقویم منسوخ ہوئی

پس قریشِ مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی اور ان دنوں حرمت والے مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے ہی شمار میں لائے جاتے تھے۔ پس جس محرم میں ابرہہ نے مکہ پر ناکام حملہ کیا تو یہ محرم اور اس کے بعد صفر اور رسول اللہؐ کی ولادتِ مبارکہ والا ربیع الاوّل سب کے سب قمریہ شمسی مہینے تھے۔ بہ الفاظِ دیگر آپؐ ہرگز ہرگز ربیع الاوّل قمری میں پیدا نہیں ہوئے۔ قمری مہینہ ان دنوں رمضان کا چل رہا تھا۔ چوں کہ قمریہ شمسی تقویم حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ کی جاچکی تھی، لہٰذا آپؐ کی وفات کی تاریخ 12 ربیع الاوّل یقیناً

قمری تقویم کی تھی، جو آج بھی رواں دواں ہے۔ یہ دن اہلِ بیت رسول اور اصحابِ رسول کے لیے شدید صدمے کا، نہ کہ خوشی کا دن تھا۔ پس 12 ربیع الاوّل کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ساتویں صدی ہجری سے جو بعض بے خبر لوگوں نے عید کا دن بنا رکھا ہے، اس کی نحوست سے عالم اسلام تسلسلِ زوال و ادبار کا شکار ہے۔ کیوں کہ رسول اللہؐ اور اصحابِ رسول اللہؐ کی توہین اور دل آزاری غیر شعوری بھی ہو تو بھی ہرگز ہرگز باعثِ برکت نہیں ہوسکتی۔ فتدبّر و تشکّر۔

حضرت ابراہیم بن حضرت محمدؐ کی ولادت و وفات کی تقویمی نوعیت سے استدلال

رسول اللہ ﷺ کے حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا مہینہ ذوالحج 8ھ اور وفات کا مہینہ ربیع الاوّل 10ھ کتب سیرت میں مذکور ہے۔ یومِ وفات پر احادیثِ صحیحہ کی رو سے سورج گرہن ہوا تھا، جو مدنی دورِ نبوی کا آخری سورج گرہن تھا، جس کی تاریخ اہلِ ہیئت نے 27/جنوری 632ء بیان کی ہے۔ اس تاریخ کے مقابل خالص قمری تاریخ 28 شوال 10 ہجری قمری تھی، بہ مطابق روایات صاحبزادہ کی عمر بوقت وفات 18 ماہ تھی۔ شوال 10ھ سے 18 ماہ پیچھے کو جائیں تو ولادت کا مہینہ جمادیٰ الاولیٰ 9ھ بنتا ہے۔ پس مؤرخین نے ولادت و وفات کی تواریخ قمری تقویم کی نہیں، بلکہ قمریہ شمسی تقویم کی بیان کی ہیں۔ جمادیٰ الاولیٰ 9ھ کے مقابل عیسوی مہینہ اگست 630ء تھا۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو حسبِ قواعد ستمبر کے مقابل رکھ کر آگے چلتے جائیں تو اگست کا مہینہ ٹھیک ذوالحج کے ہی مقابل ہوتا ہے، جو اہلِ سیرت نے ابراہیم بن رسول اللہ کی ولادت کا لکھا ہے۔ سال 10ھ قمریہ شمسی مکبوس یعنی تیرہ مہینوں والا سال تھا۔ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی اور اکتوبر کو محرم کبیسہ کے مقابل رکھتے ہوئے آگے چلتے جائیں تو جنوری کے مقابل قمریہ شمسی مہینے ربیع الثانی ہوتا ہے، جو صاحبزادے کی وفات کا مہینہ ہے۔ اہلِ سیر کی کتب میں جو ربیع الاوّل لکھا ہے تو یہ کتابت کی معمولی غلطی ہے۔

حضورؐ کے عمرے کی تقویمی نوعیت سے استدلال

یکم/ذوقعدہ 6ھ کو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؐ کا ارادہ ہرگز قریش سے چھیڑ چھاڑ کا نہیں تھا، لیکن بہ ظاہر زبردست اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذوقعدہ کا مہینہ تو اشہرِ حج میں شامل ہے اور اشہرِ حج میں عمرے کو تو مشرکین انتہائی گھناؤنا جرم سمجھتے تھے۔ دراصل قریش کی تقویم قمریہ شمسی تھی، قمری نہیں تھی۔ ذوقعدہ 6ھ کے مقابل عیسوی مہینہ مارچ 628ء تھا۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو حسبِ قواعد ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو مارچ کا مہینہ رجب قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے، جو دورِ جاہلیت میں عربوں نے عمرے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور اسے وہ ''حج اصغر'' کہا کرتے تھے۔ پس ان حقائق سے اچھی طرح واضح ہو رہا ہے کہ 8/رمضان المبارک 55 قبل ہجرت قمری کو جو عیسوی مہینہ نومبر کا رواں تھا تو اس کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاوّل کا ہوا۔ کیوں کہ محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھ کر آگے چلیں تو نومبر کے مقابل ٹھیک ربیع الاوّل قمریہ شمسی ہوتا ہے۔ چوں کہ اہلِ مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کا یہی مہینہ مشہور ہوگیا، جس کے مقابل دورِ حاضر کی ہماری قمری ہجری تقویم کا مہینہ رمضان بنتا ہے۔

سریہ ذات السلاسل کی تقویمی نوعیت سے استدلال

سریہ ذات السلاسل جمادیٰ الاخریٰ 8ھ کا سریہ ہے۔ اس میں شدید سردی تھی۔ امیرِ سریہ کو غسل کی حاجت ہوئی تو انھیں تیمّم

www.rahimia.org

کر کے نماز پڑھانی پڑی۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھ کر چلیں تو جمادیٰ الاخریٰ کا مہینہ فروری کے مقابل ہوتا ہے، جو واقعی سردی کا مہینہ ہے۔ پس اس سریہ کی توقیت اہلِ سیر نے قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ کیوں کہ جمادیٰ الاخریٰ 8ھ قمری کے مقابل تو عیسوی مہینہ ستمبر اکتوبر کا تھا، جو موسمِ خزاں کا معتدل مہینہ ہے۔

آپؐ کی ولادتِ مبارکہ ربیع الاوّل قمری میں نہیں ہوئی

الغرض! رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے متعلق ہم یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آپؐ کی آمد ہرگز ربیع الاوّل قمری میں نہیں ہوئی، بلکہ یہ تو آپؐ کی رحلت کا مہینہ ہے تو اس پر ناقابلِ تردید دلائل کا انبار لگایا جاسکتا ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (3) (پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا۔)

میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا کہ 12/ ربیع الاوّل کو نام نہاد عید میلاد النبیؐ منانے پر حکومت بھی بہت توجہ دے رہی ہے تو صحیح حقائق کا اظہار ناگزیر تھا۔ جن اہلِ علم حضرات کو مزید بھرپور تحقیق کا شوق ہو تو میں نے ششماہی مجلّہ ''السیر ہ عالمی'' میں شائع ہونے والے جن دو شماروں نمبر 32 اور 33 کا حوالہ دیا ہے، ان کا مطالعہ فرمائیں۔ بحمد اللہ علیٰ وجہ البصیرہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا بھر کے ریاضی دان اکٹھے ہو کر بھی ان حقائق کی تردید پر ہرگز ہرگز قادر نہیں ہوں گے۔ کسی کو شوق ہے تو تجربہ کر دیکھے۔ الغرض! ربیع الاوّل کی آمد سے پہلے ہی ہم نے ہر ایک پر حجت پوری کر دی ہے۔ وما علینا الا البلاغ.

ظنی تاریخی روایات کو پیشِ نظر رکھنا افسوس ناک ہے

خوب غور کیجیے کہ جس دن آپ کی کسی عزیز ترین شخصیت کا انتقال ہوا ہو اور آپ اس دن شدید ترین صدمے سے دوچار ہوئے ہوں اور لوگ اس دن کو عید بنا لیں تو کیا آپ کو لوگوں کی اس حرکت پر خواہ عمداً ہو یا سہواً خوشی ہوتی یا افسوس اور صدمہ ہوگا؟ تو بعض حضرات کا یہ کہنا کہ یہ ایک ثقافتی رسم بن گئی ہے، لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تو اس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون۔ اس اکیسویں صدی عیسوی اور پندرہویں صدی ہجری میں بھی اگر کوئی یہ معلوم نہ کر سکے کہ یکم/ربیع الاوّل 11 ہجری قمری کو بدھ سے پہلے کسی اَور دن کا ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال اور یقینی عقلی دلیل کو چھوڑ کر بعض ظنی تاریخی روایات کو سینے سے لگائے بیٹھا ہو تو اس پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ مدینہ منورہ میں ربیع الاوّل 11ھ کا چاند ایک دن کی تاخیر سے نظر آیا تھا اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ اس لیے مدینہ منورہ میں یکم/ربیع الاوّل 11 ہجری قمری بروز جمعرات ہوئی اور ٹھیک بارہ ربیع الاوّل کو سوموار کا دن ہوا اور تاریخی روایات میں بھی یہی دن مشہور ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ رحلت کا دن سوموار تھا۔ یکم/، دو/ یا تین/ ربیع الاوّل 11ھ کو سوموار کا دن ہونا عقلاً از روئے حساب محال ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (4) (بے شک حق کے مقابلے میں گمان کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتا۔)

یومِ وفات کو یومِ عید منانا کسی طور پر درست نہیں

اگر پاکستان میں کچھ لوگ مثلاً قائدِ اعظم کے یومِ وفات کو یا مثلاً سقوطِ ڈھاکہ کو عید کا دن بنا لیں، خوب دھوم دھام سے ریلیاں نکالیں تو کیا کوئی محبِّ وطن پاکستانی اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگا؟ ہم نے اس تحریر میں یہ سوال سرے سے قائم ہی نہیں

کیا کہ میلاد النبیؐ کا دن منانا بدعتِ حسنہ ہے یا نہیں، سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے یومِ وفات کو عید بنا لینا آپؐ کی توہین ہے یا نہیں؟ اس لیے بعض حضرات کا خلطِ مبحث سے کام لینا سراسر غیر متعلق ہے۔قمری تقویم میں سورج غروب ہوتے ہی اگلا دن اور اگلی تاریخ شروع ہوجاتی ہے، لیکن رواں گریگورین عیسوی تقویم میں اگلے دن اور اگلی تاریخ رات بارہ بجے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ 14/اگست 1947ء کو قمری تاریخ 26/رمضان 1366ھ تھی، اس لیے شام کو سورج غروب ہوتے ہی یہ 27 رمضان ہوگئی، جب کہ عیسوی تاریخ وہی رہی۔ پاکستان کا قیام چودہ اور پندرہ کی درمیانی شب ہوا، لہٰذا چودہ اور پندرہ اگست کا یہ اختلاف اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ نیز چودہ اگست کو قیامِ پاکستان کا جشن منایا جاتا ہے، جب کہ قمری ربیع الاوّل تو سرے سے ولادتِ مبارکہ کا مہینہ ہی نہیں کہ اس میں جشن منایا جائے۔ و شتّان بینهما.

عربوں کے ہاں ''بدوی تقویم'' اور ''حضری تقویم''

پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ دورِ جاہلیت میں کوئی دو سو قبل ہجرت سے عربوں نے عموماً قریشِ مکہ نے خصوصاً خالص ''قمری تقویم'' کو یہودیوں کی پیروی میں ''قمریہ شمسی تقویم'' میں بدل ڈالا تھا۔ تاہم مدینہ منورہ (یثرب) میں اور بدو قبائل میں خالص قمری تقویم بھی چل رہی تھی، جسے اہلِ علم نے اس دور کی ''بدوی تقویم'' (دیہاتی کیلنڈر) اور قریش مکہ کی قمریہ شمسی تقویم کو ''حضری تقویم'' (شہری کیلنڈر) کا نام بھی دیا ہے۔ یہ قمریہ شمسی تقویم بالکل یہودیوں کی ''عبرانی تقویم'' سے ہم آہنگ تھی۔ عبرانی سال کے پہلے مہینے کا نام تشری ہے۔ یہ عربوں کے محرم قمریہ شمسی کے ٹھیک مقابل ہوا کرتا تھا اور یہودیوں کی دس تشری کو عربوں کی ٹھیک دس محرم قمریہ شمسی ہوا کرتی تھی۔ جس کا نہایت بیّن (واضح) ثبوت احادیثِ عاشورا سے بھی ملتا ہے۔

عبرانی تقویم اور قمریہ شمسیہ تقویم کی مماثلت

چند اہم تغیرات کے باوجود یہودیوں کی تقویم کا بنیادی ڈھانچہ آج بھی وہی ہے، جو دورِ نبوی میں تھا۔ یہودیوں کے ہاں اب بھی دس تشری کا روزہ نہایت اہم فریضہ ہے۔ یہودی تقویم کے متعلق مزید معلومات انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا وغیرہ حوالے کی کتب سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہودیوں نے اپنے حساب سے اپنی تقویم کا آغاز کائنات کی تخلیق کے زمانے سے کیا ہے، اس لیے عبرانی سال کے ساتھ انگریزی میں لفظ Creation اور اردو وغیرہ میں ''خلیقہ'' لگایا جاسکتا ہے۔ عبرانی سن کا آغاز 3761 قبل مسیح سے کیا جاتا ہے۔ اس لیے عیسوی سال میں 3761 جمع کریں تو وہ عبرانی سال میں بدل جائے گا۔ دورِ حاضر میں یکم تشری، عیسوی تواریخ کی 5/ستمبر سے 5/اکتوبر کی تواریخ کے درمیان رہا کرتی ہے۔ دورِ نبوی میں یہ اواخر اگست سے اواخر ستمبر کی تواریخ کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ یہی حال عربوں کے قمریہ شمسی محرم کا تھا۔ مکبوس سال یعنی تیرہ مہینوں والا سال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عیسوی سال میں 3761 جمع کر کے حاصل جمع کو 19 پر تقسیم کیا جائے۔ اس تقسیم سے باقی ماندہ سالوں کا عدد اگر 3، 6، 8، 11، 14، 17 ہو یا تقسیم پوری ہوجائے تو وہ مکبوس یعنی تیرہ قمری مہینوں والا سال ہوگا۔

یکم/محرم 1 ہجری قمری کو عیسوی تاریخ 16/جولائی 621 جمع کیے جائیں تو قمریہ شمسی ہجری تقویم کے مقابل عیسوی سال معلوم ہوجائے گا۔ اب اس میں 3761 جمع کریں تو قمریہ شمسی ہجری سال کے مقابل یہودیوں کی عبرانی تقویم کا سال برآمد ہوگا۔ مثلاً ہم سال 2 ہجری کو لیتے ہیں۔ اس میں 621 جمع کیے تو 2 ہجری قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی سال 623ء ہوا۔ اب اس

www.rahimia.org

میں 3761 جمع کیے تو عبرانی سال 4384 خلیقہ، 2 ہجری قمریہ شمسی کے مقابل ہوا۔ اب اسے 19 پر تقسیم کریں تو حاصل قسمت 230 اور باقی ماندہ عدد 14 ہوا۔ پس 4384 خلیقہ مطابق 623 عیسوی مطابق 2 ہجری قمریہ شمسی ہوا۔ نیز 4384 خلیقہ عبرانی 231 ویں اُنیس سالہ دور کا چودہواں سال ہوا۔ اُنیس سالہ دور کا چودھواں سال مکبوس یعنی تیرہ مہینوں والا ہوتا ہے۔ اسی طرح حساب کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ دس سالہ مدنی دور میں کل چار سال 2، 5، 7، 10 ہجری قمریہ شمسی، مکبوس یعنی تیرہ تیرہ مہینوں والے اور باقی چھ سال غیر مکبوس یعنی بارہ بارہ مہینوں والے تھے۔ چوں کہ محرم قمریہ شمسی کا بڑا حصہ عیسوی ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا تو قمریہ شمسی مہینوں کے مقابل مکبوس اور غیر مکبوس ہجری سالوں کے مہینوں کی جدول یوں بنے گی:

عیسوی۔	قمریہ شمسی
غیر مکبوس۔	مکبوس
ستمبر۔	محرم۔ محرم
اکتوبر۔	محرم کبیسہ۔ صفر
نومبر۔	صفر۔ ربیع الاوّل
دسمبر۔	ربیع الاوّل۔ ربیع الثانی
جنوری۔	ربیع الثانی۔ جمادیٰ الاولیٰ
فروری۔	جمادیٰ الاولیٰ۔ جمادیٰ الاخریٰ
مارچ۔	جمادیٰ الاخریٰ۔ رجب
اپریل۔	رجب۔ شعبان
مئی۔	شعبان۔ رمضان
جون۔	رمضان۔ شوال
جولائی۔	شوال۔ ذوقعدہ
اگست۔	ذوقعدہ۔ ذوالحج

دونوں تقویموں کے مطابق واقعاتِ سیرتِ طیبہ کی توقیت

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کوئی درجن بھر کے قریب سیرتِ طیبہ کے واقعات کی توقیت اہلِ سیرت نے قمری اور قمریہ شمسی دونوں تقاویم میں کردی ہے۔ کسی بھی واقعے کی تاریخ، مہینے اور سال کو بیان کرنا اس واقعے کی توقیت کہلاتا ہے۔ ہم دو توقیتی واقعات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

1۔ غزوۂ بدر اولیٰ (بہ تعاقب کرز بن جابر): ابن حبیب بغدادی کے نزدیک جیسا کہ اُن کی کتاب ''المحبّر'' میں ہے، 12/ جمادیٰ الاخریٰ 2 ہجری کا واقعہ ہے۔ لیکن ابن سعد اور واقدی نے اس کا مہینہ ربیع الاوّل 2 ہجری بیان کیا ہے۔ 12

جمادیٰ الاخریٰ 2 ہجری قمری کو عیسوی تاریخ 11 دسمبر 623 عیسوی تھی۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ سال 2 ہجری قمریہ شمسی مکبوس یعنی تیرہ مہینوں والا سال تھا، ہم پہلے عیسوی مہینوں کے مقابل قمریہ شمسی مہینوں کی جدول بھی پیش کر چکے ہیں۔ جدول دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھتے ہوئے آگے بڑھیں تو مکبوس سالوں میں دسمبر کے مقابل قمری شمسی مہینہ ربیع الاول کا ہوتا ہے۔ پس ابن حبیب کی توقیت قمری تقویم کی اور ابن سعد اور واقدی کی قمریہ شمسی تقویم کی ہے۔ یوں یہ غزوہ 12/ ربیع الاوّل 2 ہجری قمریہ شمسی مطابق 12/ جمادیٰ الاولیٰ 2 ہجری قمری مطابق 11/ دسمبر 623ء جیولین بروز ہفتہ کا ہے۔

2۔ غزوۂ غطفان/ ذی امر: ابن سعد اور واقدی کے نزدیک ربیع الاوّل 3 ہجری کا واقعہ ہے، جب کہ ابن اسحاق کے خیال میں یہ اواخر ذوالحج 2 ہجری کا غزوہ ہے۔ ربیع الاوّل 3 ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ اگست 624ء کا تھا۔ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھ کر آگے چلیں تو اگست کا مہینہ ذوالحج قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ پس یہ غزوہ اواخر ذوالحج 2 ہجری قمریہ شمسی مطابق اواخر ربیع الاوّل 3 ہجری قمری مطابق اگست 624ء کا ہے۔

3۔ سریہ زید بن حارثہ: واقدی کے بقول یکم جمادیٰ الآخریٰ 3 ہجری کا جب کہ ابن اسحاق کے نزدیک یہ ربیع الاوّل 3 ہجری کا واقعہ ہے۔ یکم/ جمادیٰ الاخریٰ 3 ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ 18 نومبر 264ء تھی۔ اوپر دی گئی جدول دیکھ لیں۔ نومبر کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاوّل کا ہوا کرتا ہے۔ پس یہ سریہ یکم/ ربیع الاوّل 3 ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم جمادیٰ الاخریٰ 3 ہجری قمری مطابق 18 نومبر 624ء بروز اتوار کا ہے۔

4۔ حادثۂ رجیع: بقول ابن سعد اور واقدی صفر 4 ہجری کا سانحہ ہے، لیکن ابن حبیب بغدادی نے اور واقدی نے بھی ایک قول کے مطابق اسے ذوقعدہ 3 ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ صفر 4 ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ جولائی 625ء تھا۔ اوپر والی جدول دیکھ لیں تو معلوم ہوگا کہ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھ کر آگے چلیں تو جولائی کے مقابل واقعی ذوقعدہ قمریہ شمسی ہوتا ہے۔ پس یہ سانحہ ذوقعدہ 3 ہجری قمریہ شمسی مطابق صفر 4 ہجری قمری مطابق جولائی 625ء کا ہے۔ اس سانحے میں قریشِ مکہ نے حضرت خُبیبؓ کو قیدی بنا لیا تھا۔ انھوں نے آپؓ کو ذوقعدہ، ذوالحج 3 ہجری قمریہ شمسی اور محرم 4 ہجری قمریہ شمسی کے حرمت والے مہینوں میں قید رکھا۔ پھر ان مہینوں کے اختتام پر صفر 4 ہجری قمریہ شمسی میں آپ کو مصلوب کیا۔ پس قریش مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی۔ قمری ہرگز نہیں تھی اور حرمت والے مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے ہی شمار میں لائے جاتے تھے۔

5۔ غزوۂ بدر الموعد: ابن سعد اور واقدی کے نزدیک یکم/ ذوقعدہ 4 ہجری کا واقعہ ہے، لیکن ابن حبیب بغدادی نے اس کی تاریخ یکم/ شعبان 4 ہجری لکھی ہے۔ یکم/ ذوقعدہ 4 ہجری قمری کو عیسوی تاریخ 4 اپریل 626ء تھی۔ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھتے ہوئے آگے بڑھیں تو اپریل کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ٹھیک شعبان ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ پس یہ غزوہ یکم/ شعبان 4 ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم/ ذوقعدہ 4 ہجری قمری مطابق 4/ اپریل 626ء جیولین بروز جمعہ کا ہے۔

6۔ سریہ کرز بن جابر فہری: ابن سعد اور واقدی کے نزدیک شوال 6 ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ فروری 628ء تھا۔ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھتے ہوئے آگے چلتے جائیں تو فروری کا مہینہ ٹھیک جمادیٰ الاخریٰ کے مقابل ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ پس یہ سریہ جمادیٰ الاخریٰ 6 ہجری قمریہ شمسی مطابق شوال 6 ہجری قمری مطابق فروری 628ء جیولین کا ہے۔

www.rahimia.org

7۔ **غزوۂ خیبر:** ابن سعد اور واقدی کے نزدیک جمادیٰ الاولیٰ 7 ہجری کا جب کہ ابن حبیب بغدادی اور ابن ہشام کے نزدیک محرم 7 ہجری کا واقعہ ہے۔ جمادیٰ الاولیٰ 7 ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ ستمبر 628ء تھا۔ یہ بار ہا بیان ہو چکا ہے کہ ستمبر کے مہینے کا بڑا حصہ قمریہ شمسی محرم کے مقابل ہوا کرتا تھا، جیسا کہ اوپر والی جدول سے بھی واضح ہے۔ پس یہ غزوہ محرم 7 ہجری قمریہ شمسی مطابق جمادیٰ الاولیٰ 7 ہجری قمری مطابق ستمبر 628ء جیولین کا ہے۔

8۔ **واقعۂ معراج:** مکی دورِ نبوی کا ہے، جو ہجرت سے کوئی ڈیڑھ سال قبل بہ قول ابنِ سعد 17 رمضان بروز ہفتہ کا ہے، لیکن مشہور تاریخ 27 ر رجب ہے۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل عیسوی سال 620ء تھا۔ کیوں کہ ہجرت کا عیسوی سال بالاتفاق 622ء ہے۔ 620ء میں 3761 جمع کریں تو حسبِ قواعد عبرانی سال 4381 خلیقہ برآمد ہوتا ہے۔ اسے 19 پر تقسیم کرنے سے حاصل قسمت 230 اور باقی ماندہ عدد 11 حاصل ہوتا ہے، یعنی 231 ویں اُنیس سالہ عبرانی دور کا گیارہواں سال تھا، جو مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال ہوتا ہے۔ 3 ر رمضان 12 نبوی (2 قبل ہجرت) کے مقابل محترم ضیاء الدین لاہوری کی ''جوہرِ تقویم'' میں عیسوی تاریخ یکم ر اپریل 621ء درج ہے۔ پس 27 ر رمضان المبارک کو عیسوی تاریخ 25 ر اپریل 621ء ہوتی ہے۔ اگر ہم ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھیں تو اپریل کا مہینہ مکبوس قمریہ شمسی سالوں میں ٹھیک رجب قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ پس واقعۂ معراج کی تاریخ 27 ر رجب 2 قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مطابق 27 ر رمضان 2 قبل ہجرت قمری مطابق 25 ر اپریل 621ء جیولین بروز ہفتہ کی ہے۔ یاد رہے کہ 2 قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی سال ستمبر 620ء سے اگست 621ء تک تھا۔

9۔ **ماہِ ولادتِ مبارکہ رسول اللہؐ:** اب ہم رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ کی طرف آتے ہیں۔ زبیر بن بکار اور دیگر بعض اہلِ سیر نے بھی ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک کا بیان کیا ہے، لیکن مشہور مہینہ ربیع الاوّل ہے۔ آپؐ کی رحلت کا عیسوی سال بالاتفاق 632ء ہے۔ چوں کہ قمریہ شمسی اور قمری دونوں سالوں کی مدت نہایت ہی معمولی فرق سے یکساں ہوتی ہے اور اسی لیے تو قمریہ شمسی تقویم کے مہینے موسموں کے مطابق رہتے ہیں، اس لیے 632 سے آپؐ کی عمر مبارک کے 63 سال تفریق کرنے سے سالِ ولادت 569ء برآمد ہوا۔ 4 ر نومبر 569 کو قمری تاریخ 8 رمضان المبارک 55 قبل ہجرت تھی۔ محترم ضیاء الدین لاہوری کی تقویم پر کتاب جوہرِ تقویم میں یکم ر نومبر 569ء کے مقابل قمری تاریخ 5 ر رمضان 55 قبل ہجرت قمری ہے۔ اگر ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھا جائے تو نومبر کا مہینہ ٹھیک قمریہ شمسی ربیع الاوّل کے مقابل ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی بہ خوبی واضح ہے۔ 65 قمری سالوں کے قمریہ شمسی اور شمسی سال 63 ہوتے ہیں، پس 55 قبل ہجرت قمری کے مقابل قمریہ شمسی سال 53 قبل ہجرت قمریہ شمسی تھا۔ لہٰذا بہ خوبی ثابت ہو گیا کہ ولادتِ مبارکہ کی تاریخ 8 ربیع الاوّل قمریہ شمسی مطابق 8 ر رمضان المبارک قمری مطابق 4 ر نومبر 569 عیسوی جیولین بروز سوموار کی ہے۔ **وھو المطلوب.**

یعنی یہ ربیع الاوّل منسوخ شدہ قمریہ شمسی تقویم کا تھا، جس کے مقابل قمری مہینہ رمضان المبارک کا تھا۔ قمری ربیع الاوّل میں آپؐ کی ولادت ہرگز نہیں، البتہ وفات یقیناً ہوئی ہے۔ ہجرت کا ربیع الاوّل بھی قمری شمسی تقویم کا ہے۔ خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادیٰ الاولیٰ اور صحیح عیسوی تاریخ 22 ر نومبر 622ء جیولین تھی، بہ الفاظِ دیگر ہجرتِ مدینہ کی تاریخ 12 ر ربیع الاوّل 1 ہجری قمریہ شمسی مطابق 12 جمادیٰ الاولیٰ 1 ہجری قمری مطابق 622ء جیولین بروز سوموار کی ہے۔ پس قمری ربیع الاوّل کبھی بھی دورِ نبوی میں کسی

www.rahnima.org

بڑی خوشی کا مہینہ رہا ہی نہیں، بلکہ آپ ؐ کی اس مہینے میں رحلت ہوئی تو رحلت کا دن 12/ربیع الاوّل 11 ہجری قمری مطابق 8/جون 632ء جیولین بروز سوموار صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کے لیے غیر معمولی اور شدید ترین صدمے اور دُکھ کا دن تھا۔

یومِ وفات رسول اللہ ﷺ 12/ربیع الاوّل قمری ہجری ہے

حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اللہ ﷺ بہ قول ابنِ سعد مکہ میں 4/ذوالحج کو بروز سوموار داخل ہوئے تھے۔ (5) واقدی نے بھی لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یوم ترویہ یعنی 8/ذوالحج کو جمعہ تھا۔ (6) اس سے معلوم ہوا کہ مدنی رؤیت ہلال کی بنا پر یومِ عرفہ بروز جمعہ تاریخ 8/ذوالحج تھی۔ یہ 9/ذوالحج کی تاریخ مکی رؤیت کے مطابق تھی۔ پس یہ شبہ صحیح نہیں کہ اگر یومِ عرفہ 9/ذوالحج کو جمعہ ہوتو آپ کی رحلت کی تاریخ 12/ربیع الاوّل کیسے ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ آپ ؐ کا انتقال مدنی رؤیت ہلال کے مطابق ٹھیک 12/ربیع الاوّل کو ہی ہوا ہے۔ 9/ذوالحج کو مدنی رؤیت کے مطابق دن جمعہ نہیں، بلکہ ہفتہ تھا اور یومِ عرفہ کو مدنی تاریخ 9/نہیں بلکہ 8/ذوالحج تھی۔

ربیع الاوّل 11 ہجری قمری کے ''قِرانِ شمس وقمر'' (ولادتِ قمر) کی عیسوی تاریخ بغداد کے میعاری وقت کے مطابق 24/مئی 632ء جیولین بوقت 21:46 تھی۔ اہلِ ہیئت کے قواعد کے مطابق رؤیتِ ہلال 26/مئی کو غروبِ شمس سے پہلے قطعاً ممکن نہیں۔ لہٰذا یکم ربیع الاوّل 11 ہجری قمری کو عیسوی تاریخ 27/مئی 632ء جیولین بروز بدھ کی ہونی چاہیے، لیکن مدینہ منورہ میں رؤیت ایک دن مؤخر ہونے سے یکم/ربیع الاوّل بروز جمعرات ہوئی اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ یوں 12/ربیع الاوّل مطابق 8/جون 632ء جیولین کو ٹھیک سوموار کا ہی دن ہوا۔ اس سے یہ بھی بہ خوبی معلوم ہوگیا کہ یکم/یا دو ربیع الاوّل کو سوموار ہونا ایسے ہی محال ہے، جیسے دو اور دو پانچ کا ہونا محال ہے۔ اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ رحلت کا دن سوموار تھا۔

سانحۂ رجیع اور سانحۂ بئرِ معونہ کی توقیت پر قدرے مزید بحث

سانحۂ رجیع اور سانحۂ بئرِ معونہ کی توقیت پر قدرے مزید بحث قارئین کرام کے لیے ان شاء اللہ چشم کشا اور معلومات افزا ہوگی۔ سانحۂ رجیع اور اس کے بعد سانحۂ بئرِ معونہ دونوں کا مہینہ اکثر اہلِ سیر و مغازی نے صفر 4 ہجری لکھا ہے۔ عربوں کے دورِ جاہلیت اور پھر دورِ نبویؐ کے دو توقیتی نظام سے بے خبری کی وَجہ سے دونوں سرایا کے اس صفر 4 ہجری کو غلطی سے قمری تقویم کا سمجھ لیا گیا، جس سے خصوصاً متأخرین اہلِ سیر کو سانحۂ رجیع کے بارے میں متقدمین کی بیان کردہ جزئیات کو سمجھنے میں سخت ٹھوکر لگی۔ مثلاً ابن ہشام اور واقدی نے بیان کیا ہے کہ سانحۂ رجیع میں پکڑے جانے والے صحابیٔ رسول حضرت خُبیبؓ حرمت والے مہینوں میں قریشِ مکہ کی قید میں رہے۔ جب یہ حرمت والے مہینے ختم ہوئے تو قریش نے انھیں مصلوب کرکے شہید کردیا۔ ادھر بئرِ معونہ کے سانحے کا مہینہ بھی صفر 4 ہجری ہی بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی واقدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں حوادث کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔ اب یہاں متأخرین اہلِ سیر کو یہ مشکل پیش آئی کہ اگر حضرت خبیبؓ کو حرمت والے مہینوں میں قید میں رکھا گیا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ صفر کے مہینے میں پکڑے گئے ہوں اور پھر حرمت والے مہینوں میں وہ قید میں رہے ہوں۔ کیوں کہ صفر سے جمادیٰ الاخریٰ تک پانچ مہینے تو اشہرِ حرم میں شامل ہی نہیں۔ اس کے بعد رجب کا مہینہ گو حرمت والا ہے، لیکن یہ تو ایک ہی مہینہ ہے۔ اس کے بعد شعبان سے شوال تک کے مہینے تو حرمت والے نہیں ہیں۔ قریشِ مکہ آپ ؓ کو صفر سے جمادیٰ الاخریٰ تک کے مہینوں میں کسی بھی وقت

www.rahimia.org

مصلوب کر سکتے تھے۔ ادھر متقدمین اہلِ سیر حرمت والے ایک مہینے کی بات نہیں کر رہے، بلکہ مہینوں کی بات کر رہے ہیں تو یک جا حرمت والے مہینے تو ذوقعدہ سے محرم تک کے ہی ہو سکتے ہیں۔ دوسرا اشکال انھیں یہ پیش آیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت خُبیبؓ صفر کے مہینے میں پکڑے گئے ہوں اور پھر قید میں کئی مہینے گزارنے کے بعد مصلوب ہوں تو مہینہ وہی صفر ہی رہے اور یہ بھی کیسے ممکن ہے کہ رجیع اور بئر معونہ کے ان دونوں حوادث کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی رات میں پہنچے۔

ان اشکالات سے بچنے کے لیے متأخرین مثلاً علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''سیرت النبی'' میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے ''رحمت للعالمین'' میں اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے ''الرحیق المختوم'' میں حرمت والے مہینوں کا ذکر ہی گول کر دیا اور یہ لکھ مارا کہ حضرت خُبیبؓ صرف چند دنوں کے لیے قریش مکہ کی قید میں رہے تھے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ''سیرت المصطفیٰ'' میں سانحۂ رجیع کا مہینہ صفر بیان کیا اور لکھا کہ حضرت خُبیبؓ تا انقضائے شہرِ حرام (حرمت والے مہینوں کے اختتام تک) مشرکین مکہ کی قید میں رہے، حال آں کہ صفر تو حرمت والا مہینہ ہی نہیں اور پھر ابن ہشام اور واقدی نے تو حرمت والے کئی مہینوں تک حضرت خُبیبؓ کے قید میں رہنے کی بات کی ہے۔ صرف ایک حرمت والے مہینے کی انھوں نے بات نہیں کی۔ جو حضرات مجھ راقم الحروف (ظفر احمد) پر اکابر کی مخالفت کا اعتراض کرتے ہیں، وہ اس کی وضاحت تو فرما دیں کہ ہمارے ان اکابر کو یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ متقدمین کی بیان کردہ جزئیات کو اپنی طرف سے نہ صرف بدل ڈالیں، بلکہ اپنے بے خبر قارئین کو بھی بتانا گوارا نہ کریں کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ یہ اکابر ہمارے سر کا تاج ہیں، لیکن ان کے تسامحات کو حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی سینے سے لگائے رکھنا ہر گز علمی روش نہیں ہے۔

آیئے! اب ہم اصل حقائق واضح کریں۔ سانحۂ رجیع صفر 4 ہجری دراصل خالص قمری تقویم کا ہے۔ صفر 4 ہجری قمری کے مقابل عیسوی تقویم کا مہینہ جولائی 625ء جیولین تھا۔ اگر ستمبر کو قمریہ شمسی محرم کے مقابل رکھتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں تو جولائی کا مہینہ قمریہ شمسی تقویم کے ذوقعدہ کے مقابل ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ چناں چہ ابن حبیب بغدادی نے اپنی کتاب ''المحبّر'' میں سانحہ رجیع کا مہینہ اور خود واقدی نے بھی اپنے دوسرے قول کے مطابق ذوقعدہ 3 ہجری بیان کیا ہے۔ ذوقعدہ، ذوالحج 3 ہجری قمریہ شمسی اور محرم 4 ہجری قمریہ شمسی ہی حرمت والے وہ تین مہینے ہیں، جن میں قریش مکہ نے حضرت خُبیبؓ کو قید میں رکھا تھا۔ پھر صفر 4 ہجری قمریہ شمسی میں انھوں نے آپ کو مصلوب کر کے شہید کیا اور اسی صفر 4 ہجری قمریہ شمسی میں بئرِ رومہ کا حادثہ بھی پیش آ گیا اور ان دونوں حوادث کی اطلاع رسولِ اکرم ﷺ کو ایک ہی رات میں ملی۔ پس اس وضاحت سے کسی طرح کا بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہا اور متقدمین کی بیان کردہ تمام جزئیات قابل قبول ٹھہریں۔ فتدبّر و تشکّر۔

صفر قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی مہینہ اکتوبر کا ہوا کرتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ اکتوبر 625ء جیولین کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادیٰ الاولیٰ 4 ہجری قمری رواں تھا۔ پس سانحۂ رجیع ذوقعدہ 3 ہجری قمریہ شمسی مطابق صفر 4 ہجری قمری مطابق جولائی 625 جیولین کا واقعہ ہے، جب کہ حضرت خُبیبؓ کی قمریہ شمسی تقویم کے حرمت والے مہینوں میں قید رہنے کے بعد کی مصلوبیت اور سانحۂ بئرِ معونہ دونوں صفر 4 ہجری قمریہ شمسی مطابق جمادیٰ الاولیٰ 4 ہجری قمری مطابق اکتوبر 625ء جیولین کے واقعات ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہوئیں:

1۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ مہینوں کے نام مشترک ہونے کے باوجود دونوں (یعنی) قمری اور قمریہ شمسی تقاویم کی نوعیت

ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔

2۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہلِ مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی، قمری ہرگز نہیں تھی۔

3۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دورِ نبویؐ میں حجۃ الوداع سے پہلے تک حرمت والے مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے ہی شمار میں لائے جاتے تھے۔

4۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ قریشِ مکہ کا حج ذوالحج قمریہ شمسی میں نہ کہ قمری میں ہوا کرتا تھا اور اس ذوالحج قمریہ شمسی کے بڑے حصے کے مقابل عیسوی مہینہ اگست کا ہوا کرتا تھا، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ عمرہ (حجِ اصغر) ان دنوں قمریہ شمسی رجب میں ہوا کرتا تھا، جس کا بڑا حصہ عیسوی مہینے مارچ کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ چناں چہ جب ذوقعدہ 6 ہجری قمری میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے روانہ ہوئے تو ذوقعدہ 6 ہجری کے مقابل عیسوی مہینہ مارچ 628ء جیولین تھا اور قمریہ شمسی مہینہ رجب 6 ہجری قمریہ شمسی تھا اور یہی ان دنوں عمرے کا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔

5۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ ابرہہ والیٔ یمن جس ذوالحجہ کے متعلق اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ عرب خانہ کعبہ کے بجائے صنعا میں اس کے تعمیر کرائے ہوئے خوب صورت کنیسہ (گرجے) کا حج کریں گے تو یہ ذوالحج کا قمری ہرگز نہیں، بلکہ قمریہ شمسی تھا، جس کا بڑا حصہ عیسوی تقویم کے مہینے اگست کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

6۔ چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ بعد میں ابرہہ نے جس محرم میں مکہ پر چڑھائی کی تھی اور اس کا لشکر غیبی خدائی عذاب سے تباہ ہوا تھا تو یہ محرم بھی ہرگز قمری نہیں، بلکہ قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور بارہا یہ مذکور ہوچکا ہے کہ قمریہ شمسی محرم کا بڑا حصہ عیسوی ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

7۔ ساتویں بات یہ معلوم ہوئی کہ اس محرم کے بعد صفر کا مہینہ اور پھر ربیع الاوّل کا وہ مہینہ جس میں رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو یہ دونوں مہینے ہرگز قمری کے نہیں، بلکہ قمریہ شمسی تقویم کے تھے۔ ربیع الاوّل قمریہ شمسی کا بڑا حصہ عیسوی نومبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

8۔ آٹھویں بات یہ معلوم ہوئی کہ رجیع اور بئرِ معونہ کے حوادث کا مہینہ جو اہلِ سیر نے صفر بیان کیا تو ان دونوں حوادث کے اس مہینے کا صرف نام ہی مشترک ہے، ورنہ سانحۂ رجیع کا صفر' قمری تقویم کا اور بئرِ معونہ کے حادثے کا صفر' قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور دونوں کا زمانہ ایک نہیں، بلکہ دونوں حوادث میں کوئی تین ماہ کا فرق ہے اور مثلاً مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ کا سیرتِ طیبہ پر اپنی کتاب ''الرحیق المختوم'' میں یہ لکھنا قطعاً غلط ہے کہ بئرِ رومہ کا سانحہ ٹھیک اسی صفر کے مہینے میں پیش آیا تھا، جس میں سانحۂ رجیع وقوع پذیر ہوا تھا۔ یہ غلطی انھیں دوتقویمی التباس کی وَجہ سے لگی۔ بالکل اسی طرح ربیع الاوّل قمری اور ربیع الاوّل قمریہ شمسی میں بھی نام مشترک ہونے کے باوجود دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور دونوں کے زمانے کا ایک ہونا ضروری نہیں۔ چناں چہ جس ربیع الاوّل قمریہ شمسی میں رسولِ اکرم ﷺ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو اس سال خالص قمری ربیع الاوّل اور قمریہ شمسی ربیع الاوّل میں کوئی چھ ماہ کا فرق تھا۔ کیوں کہ اس سال قمریہ شمسی ربیع الاوّل کے مقابل قمری تقویم کا مہینہ رمضان رواں تھا۔

www.rahimia.org

9۔ نوویں بات یہ معلوم ہوئی کہ جس ربیع الاوّل میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یقیناً خالص قمری تقویم کا ربیع الاوّل تھا۔ کیوں کہ قمریہ شمسی تقویم تو حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دی گئی تھی۔

10۔ دسویں بات یہ معلوم ہوئی کہ تاریخی جزئیات گو دین نہیں، لیکن اگر انھیں ناحق دین میں داخل کر دیا جائے تو ان جزئیات کی تحقیق اگر فرضِ عین نہیں تو فرضِ کفایہ تو ضرور ہے۔ لہٰذا ہمارے تعلیمی اداروں اور جامعات میں سیرتِ طیبہ کے توقیتی مباحث کو نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔

11۔ گیارہویں بات یہ معلوم ہوئی کہ سانحۂ رجیع کے صفر قمری کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ذوقعدہ کا تھا، یعنی دونوں تقاویم کا تقابل کیا جائے تو مہینے مختلف ہو سکتے ہیں۔

12۔ بارہویں بات یہ معلوم ہوئی کہ صفر 4 ہجری کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ اور سال ذوقعدہ 3 ہجری قمریہ شمسی تھا، یعنی جب قمری تقویم کا تقابل قمریہ شمسی تقویم سے کیا جائے تو صرف مہینے ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات سال بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔

میں نے یہاں اپنے مقالے ''ربیع الاوّل اور اُس کے متعلقات'' کے بعض نہایت اہم حصوں کی تلخیص پیش کر دی ہے، تاکہ کسی کے پاس یہ عذر نہ رہے کہ اتنے طویل مقالوں کو کون پڑھتا ہے۔

ان اہم مباحث سے بے خبری کی وجوہات

اب یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی ان اہم مباحث سے بے خبری کی کیا وَجہ ہے کہ ہر مسلک کے جید علما بھی ان اہم معلومات سے افسوس ناک حد تک غافل چلے آ رہے ہیں۔ اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ سے واقعی سچی محبت ہے اور ہر مسلمان کو ہونی چاہیے تو سیرتِ طیبہ کے واقعات و حوادث کی توقیت پر تحقیقی مباحث کو ہم نے ابھی تک اپنے مدارس، سکولز، کلیات اور جامعات میں تدریسی نصاب کا حصہ کیوں نہیں بنایا اور ہم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ آپؐ کی ولادتِ مبارکہ کا دن منا لینے (اور وہ بھی ولادت کے بجائے وفات کے مہینے اور دن کو منا لینے) سے حقِ محبت ادا ہو جاتا ہے؟ و إلیٰ اللّٰہ المشتکٰی.

اُمتِ مسلمہ کی ان حقائقِ ثابتہ سے بے خبری کی چند وجوہات یہ ہیں:

1۔ متقدمین اہلِ سیر و مغازی کو ابتدائی مسودات یا زبانی روایات کے ذریعے مختلف واقعات کی جو تواریخ، مہینے اور سال معلوم ہوئے، وہ انھوں نے آئندہ نسلوں تک منتقل کر دیے۔ بعد میں جب بعض اہلِ علم نے توقیتی تضادات اور اختلافات کو محسوس کیا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ اس کی بڑی وَجہ عربوں کی اس دور کی وہ رسم ''نَسِیْء'' (مہینوں میں کمی بیشی کی رسم) ہے، جس سے قمری مہینے اپنے اصل مقام پر نہیں رہ سکتے تھے، بلکہ اُن کی جگہ باری باری دوسرے مہینے آتے رہتے تھے اور کوئی 33 سالوں کے بعد یہ مہینے اپنی اصل سابقہ جگہ پر آتے بھی تھے تو اس ''نَسِیْء'' کی وَجہ سے پھر اپنے اصل مقام سے بہ تدریج ٹلنے لگتے تھے۔ گزشتہ صفحات میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اس ''نَسِیْء'' والی تقویم کو ہی ''قمریہ شمسی'' کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے، جو اُنیس سالہ میطونی دور پر مبنی ہوتا ہے اور یہودیوں میں ''نَسِیْء'' کا طریقہ اب بھی چل رہا ہے۔ ''نَسِیْء'' کے ذریعے بڑھائے گئے تیرہویں مہینے کو ''کبیسہ'' یا لیپ کا مہینہ کہا جاتا ہے اور تیرہ قمری مہینوں والے سال کو مکبوس سال (یعنی قمری لیپ سال) کہا جاتا ہے۔ چوں کہ ہمارے اہلِ سیر نے خصوصاً

www.rahimia.org

اور دیگر شعبوں کے اہلِ علم نے عموماً سیرتِ طیبہ کے واقعات و حوادث کی قمری اور قمریہ شمسی توقیت کا مکمل تقابل اس دور کی کسی شمسی تقویم سے کرنے کی زحمت ہی نہیں کی تو بے چارے عوام الناس کے لیے مکبوس اور غیر مکبوس سالوں اور اسی طرح قمری اور قمریہ شمسی توقیت میں کما حقہ امتیاز کر لینا کیسے ممکن تھا؟

2۔ ان توقیتی تضادات کو دور کرنے کے لیے ''شمسی''، ''قمریہ شمسی'' اور ''قمری'' تقاویم کا صحیح تقابل ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس کے لیے حسابی قواعد تیار کیے بغیر بات نہیں بنتی۔ اس مقصد کے لیے اہلِ سیر کی ریاضی میں ضروری حد تک مہارت مطلوب ہے۔ یہ مہارت ہمارے متقدمین اہلِ سیر کو دو وَجہ سے حاصل نہیں ہوسکی؛ ایک تو ان کا رابطہ ریاضی دانوں سے نہیں تھا، دوسرے خود ریاضی دانوں کے لیے بھی تقویمی تقابل اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ کیوں کہ قمری اور شمسی سالوں کے دنوں کی مدت میں صحیح اعداد کے ساتھ کسور بھی شامل ہیں۔

اگرچہ عملی زندگی میں قمری سال 354 دنوں کا اور کچھ سالوں میں 355 دنوں کا ہوتا ہے، لیکن دورِ حاضر کے ماہرینِ ہیئت نے قمری سال کی اوسط مدت 354.36706 دن (یعنی 354 دن 8 گھنٹے 48 منٹ اور کوئی 34 سیکنڈ) دریافت کی ہے۔ اسی طرح شمسی سال مثلاً عیسوی سال عملی زندگی میں 365 دنوں کا اور ہر چوتھا سال 366 دنوں کا ہوتا ہے، لیکن دورِ حاضر میں اس کی اوسط مدت 365.2425 دن (یعنی 365 دن 5 گھنٹے اور کوئی 49 منٹ) لی جاتی ہے، جو اصل مدت سے اب بھی کچھ زیادہ ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سال 4000 عیسوی لیپ کا سال نہیں ہوگا، تاکہ حساب درست رہے۔

سولہویں صدی کے اواخر سے پہلے عیسوی تقویم میں سال کی اوسط مدت 365.25 دن لی جاتی تھی۔ چوں کہ یہ اصل مدت سے زیادہ تھی، اس لیے سولہویں صدی تک اس میں دس دن بڑھ گئے تھے تو پوپ گریگوری کے حکم سے سال کی اوسط مدت 365.2425 دن مقرر کی گئی اور پرانی تقویم جو ''جیولین عیسوی تقویم'' کہلاتی تھی، اس کا نیا نام ''گریگورین عیسوی تقویم'' ہوا اور یہی تقویم اب رواں دواں ہے۔

ایسے پیچیدہ حسابات متقدمین کی رسائی میں نہیں تھے۔ ان دنوں جزیرۃ العرب اور اردگرد کے علاقوں میں شمسی تقویم ''رومی یا سکندریہ تقویم'' کہلاتی تھی، جس کا پہلا مہینہ تشرین اوّل عیسوی مہینے اکتوبر کے بالکل مقابل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی سیرتِ طیبہ کی تواریخ کا تقابل اہلِ سیر نے نہیں کیا اور باہم رابطوں کے فقدان کی وَجہ سے ان میں سے ہر ایک نے اپنی توقیت کو قمری توقیت ہی سمجھا، کیوں کہ دورِ جاہلیت کے عرب اس لحاظ سے دوہرے مجرم قرار پاتے ہیں کہ ایک تو انھوں نے خالص قمری تقویم کو اپنے معاشی مفادات کی خاطر قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ دوسرے انھوں نے اس قمریہ شمسی تقویم کے مہینوں کے نام از محرم تا ذوالحج وہی رہنے دیے جو خالص قمری تقویم کے مہینوں کے نام تھے۔ [7] اس سے ایسا زبردست دو تقویمی التباس پیدا ہوا، جس سے اُمتِ مسلمہ تب تک رہائی نہیں پا سکتی، جب تک کہ اس پر تحقیقی مباحث کو عام نہ کیا جائے اور انھیں تعلیمی نصاب کا حصہ نہ بنایا جائے۔ اس سلسلے میں مدارس اور جامعات پر جو عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، محتاجِ بیان نہیں ہے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ [8] (شاید اس

کے بعد اللہ تعالیٰ ان امور پر گفتگو کی توفیق دے۔)

3۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بعد کے اہلِ سیر و مغازی تو ایک طرف رہے، خود نوجوان صحابہ کرامؓ بھی اس دوتقویمی پیچیدگی، ابہام اور التباس کا شکار ہوجایا کرتے تھے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے، جن میں ایک عمرہ رجب میں ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کو غلطی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اللہ ان پر رحم فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا، بلکہ تمام عمرے ذوقعدہ میں ہوئے۔''(9) سال 6 ہجری قمری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرے کے لیے روانہ ہوئے تو یہ روانگی ذوقعدہ میں ہوئی تھی۔ ذوقعدہ 6 ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ مارچ 628ء تھا۔ ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں تو مارچ کا مہینہ غیر مکبوس یعنی بارہ مہینوں والے سالوں میں ٹھیک رجب قمریہ شمسی کے مقابل ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر دی گئی تقابلی جدول سے بھی یہ خوبی واضح ہو رہا ہے۔ دورِ جاہلیت میں عمرے کو ''حجِ اصغر'' کہا جاتا تھا اور عربوں نے اسی رجب قمریہ شمسی کو ہی عمرے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ ذوقعدہ کا مہینہ تو اشہرِ حج میں شامل ہے اور اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کو عرب بدترین اور انتہائی سنگین گناہ سمجھتے تھے۔(10) اس عمرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش مکہ کو ناحق مشتعل کرنے یا اُن سے جنگ کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا، بلکہ آپؐ نے تو حضرت عثمانؓ کو امن کا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس بھیجا تھا۔

چوں کہ مشرکین عرب کا عمرہ اور حج ان دنوں صرف اور صرف قمریہ شمسی تقویم کے مہینوں میں ہی ہوا کرتا تھا، اس لیے آپؐ نے عمرے کے لیے قمریہ شمسی تقویم کے رجب کو ہی ملحوظ رکھا تھا۔ یہ محض حسنِ اتفاق تھا کہ رجب 6 ہجری قمریہ شمسی کے مقابل ان دنوں خالص قمری تقویم کا مہینہ ذوقعدہ کا رواں تھا۔ بہ الفاظِ دیگر اہلِ سیر نے اس عمرے کی توقیت قمری تقویم میں کی ہے۔ اس تفصیل سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت ابنِ عمرؓ کا یہ قول کہ ایک عمرہ رجب میں ہوا تھا، قمری شمسی تقویم کے مطابق بالکل درست تھا۔ حضرت عائشہؓ کا ذہن اِدھر منتقل نہ ہوا اور انھوں نے ذوقعدہ کا مہینہ جو بیان کیا تو قمری تقویم کے حساب سے ٹھیک بیان کیا۔ یوں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہ اختلاف حقیقی ہے ہی نہیں، محض دوتقویمی التباس کی وَجہ سے ظاہری اور صوری ہے۔ اس سال عمرہ نہ ہوسکا اور صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے اگلے سال ذوقعدہ 7 ہجری قمری میں ''عمرۃ القضاء'' کے نام سے یہ عمرہ ہوا۔ سال 7 ہجری قمریہ شمسی مکبوس یعنی تیرہ مہینوں والا سال تھا، جس کی وَجہ سے اب ذوقعدہ 7 ہجری قمری کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ رجب کے بجائے جمادیٰ الاخریٰ 7 ہجری قمریہ شمسی تھا۔ جب مسلمان عمرۃ القضا ادا کر رہے تھے تو قریش مکہ ان دنوں شہر سے باہر چلے گئے تھے۔ یہ جو سال 6 ہجری میں عمرہ نہیں ہوسکا تھا تو اس میں ایک ربانی حکمت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں اور مشرکین کا عمرہ یک جا نہ ہونے پائے، ورنہ جنگ و جدال تک بھی نوبت پہنچ سکتی تھی۔ کیوں کہ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں سال 6 ہجری قمری کے ذوقعدہ کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ رجب کا چل رہا تھا اور مشرکین عرب اسی مہینے میں عمرہ کیا کرتے تھے۔

فتح مکہ، غزوۂ حنین اور پھر غزوۂ ہوازن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذقعدہ 8 ہجری میں جو عمرۃ الجعرانہ فرمایا تو یہ

www.rahimia.org

ذوقعدہ قمری تقویم کا نہیں، بلکہ قمریہ شمسی تقویم کا تھا۔ چوں کہ مشرکین عرب حج کے مہینوں میں عمرے کو بدترین گناہ سمجھتے تھے اور چوں کہ قریش مکہ ابھی ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اس لیے آپؐ نے یہ عمرہ رات کی تاریکی میں اس رازداری سے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ جیسے بعض اصحاب کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ ذوقعدہ 8 ہجری قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ربیع الثانی 9 ہجری قمری تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے پہلے صرف حج کا احرام باندھا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے عمرے کو بھی ساتھ ملا لیا، تاکہ دورِ جاہلیت سے چلی آ رہی اس غلطی کا ازالہ ہوجائے کہ اشہرِ حج میں عمرہ نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس سے پہلے جو حجِ ابی بکرؓ ذوالحج 6 ہجری میں ہوا تھا، تو یہ خالص قمری تقویم میں ہوا تھا۔ اور عربوں نے کوئی دوسو سالوں کے بعد پہلی مرتبہ حج خالص قمری تقویم میں ہوتے دیکھا تھا۔ قریشِ مکہ تو پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے، البتہ دیگر بچے کھچے مشرک قبائل کے لیے یہ حیرانی کی بات تھی۔

سال 8 ہجری قمریہ شمسی میں فتح مکہ کے بعد جو حج ہوا تو وہ پرانے طریقے کے مطابق قمریہ شمسی ذوالحج میں ہی ہوا تھا، لیکن حج ابی بکر خالص قمری تقویم کے ذوالحج میں ہوا۔ اس ذوالحج 9 ہجری کے مقابل عیسوی مہینہ مارچ 631ء تھا۔ اوپر بارہا مذکور ہوچکا ہے کہ عیسوی مارچ کے مقابل غیرمکبوس (بارہ مہینوں والے) سالوں میں قمریہ شمسی مہینہ رجب کا ہوا کرتا تھا، جیسا کہ اوپر دی گئی جدول سے بھی واضح ہے۔ تو حجِ ابی بکرؓ سے فارغ ہوکر جب حضرت ابوبکرؓ اپنے تین سو کے قریب ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ واپس پہنچے تو اسی رجب قمریہ شمسی 9 ہجری مطابق ذوالحج 9 ہجری قمری مطابق مارچ 631ء جیولین میں غزوۂ تبوک کے لیے روانگی ہوئی اور پھر اسے مراجعت رمضان 9 ہجری قمریہ شمسی مطابق صفر 10 ہجری قمری مطابق مئی 631ء میں ہوئی۔ انھیں مہینوں میں کھجور کی فصل پک رہی ہوتی ہے اور مئی کا مہینہ تو عرب میں بادِ سموم (سخت لو والی گرم ہوا) کا ہوتا ہے۔

خالص قمری تقویم کے سال 9 ہجری قمری کے رجب، شعبان اور رمضان کے مہینے تو عیسوی مہینوں اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے مقابل رہے۔ نہ تو یہ گرمی کے مہینے ہیں اور نہ ہی ان میں کھجور کی فصل پک رہی ہوتی ہے۔ غزوۂ تبوک کے یہ مہینے دراصل قمریہ شمسی تقویم کے مہینے ہیں، جنھیں اہلِ سیر نے غلطی سے قمری تقویم کے مہینے سمجھ لیا اور غزوۂ تبوک کو زمانی اعتبار سے ناحق مقدم اور حجِ ابی بکر کو ناحق مؤخر کردیا، حال آں کہ دو اور دو چار کی طرح حقیقت یہ ہے کہ حج پہلے اور غزوہ بعد میں ہوا۔ ہم نے اس پر اَور بھی ناقابلِ تردید دلائل دیے ہیں، جو اختصار کے پیشِ نظر یہاں بیان نہیں کیے جا رہے۔ خیر! بات عمرے کی چل رہی تھی، تو حجۃ الوداع والے عمرے کا احرام تو ذوقعدہ میں باندھا گیا، لیکن عمرہ ذوالحج میں ہوا، کیوں کہ آپؐ ذوالحج کے اوائل میں مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

4۔ اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ توقیتی تضادات کے حل کی طرف توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ تاہم برصغیر میں انفرادی سطح پر صحیح یا غلط سمت میں اس پر کام ہوا ہے۔ برصغیر کے مایہ ناز سکالر ڈاکٹر محمد حمیداللہ (مرحوم) نے بعض واقعات کی توقیت پر بحث کی، لیکن انھوں نے مکی اور مدنی دور کے سبھی یا اکثر واقعات کی توقیت کو مدِنظر نہیں رکھا۔ نیز دیگر مشاغل میں مصروفیت کی وَجہ سے بھی وہ سطحیت کا شکار ہوگئے اور بعض متقدمین کی تقلید میں یہ سمجھ بیٹھے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمری اور قمریہ

www.rahimia.org

شمسی ذوالحج یک جا ہوگئے تھے اور یہ کہ عربوں کے قمریہ شمسی سال کا آغاز موسم بہار سے ہوا کرتا تھا۔ اسی سنگین غلطی کا ارتکاب محترم ضیاء الدین لاہوری نے بھی تقویم پر اپنی کتاب ''جوہرِتقویم'' میں کیا ہے اور عربوں کے قمریہ شمسی سال کا آغاز عیسوی اپریل سے کیا ہے، حال آں کہ اگر قمریہ شمسی سال کے محرم کو اپریل کے مقابل رکھا جائے تو غزوۂ تبوک کے رجب سے رمضان تک کے مہینے تو پھر بھی اکتوبر سے دسمبر تک رہیں گے۔ اور متعلقہ زبردست اشکال باقی رہے گا۔

اسی طرح بعض حضرات مثلاً علی محمد خاں مرحوم نے یہ غلط سمجھ لیا کہ اس دور کے عربوں میں کوئی ''شمسی خریفی تقویم'' موجود تھی۔ قمریہ شمسی پر شمسی کا اطلاق اصولاً درست نہیں، بلکہ مغالطہ انگیز ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''تقویم عہدِنبوی'' میں فتح مکہ کی عیسوی تاریخ 18/ جون 629ء لکھی ہے، حال آں کہ صحیح تاریخ 8/ جون 630ء جیولین مطابق 20/ رمضان 8 ہجری قمریہ شمسی مطابق 20 صفر 9 ہجری قمری بروز جمعہ کی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ اس طرح کی اَور کئی توقیتی اغلاط اس میں پائی جاتی ہیں۔

اس سمت میں ماضی میں صحیح ترین کام محترم اسحاق النبی علوی صاحب کا ہے۔ ان کا ایک مقالہ "**توقیت السیرة النبویه**" پرنقوشِ سیرت نمبر کی دوسری جلد میں موجود ہے۔ ہم من حیث المجموع ایک ناقدر شناس قوم ہیں۔ علوی صاحب کے کام کو آگے بڑھانے کے بجائے اسے نظرانداز کردیا گیا۔ اگر چہ علوی صاحب نے مکی دور کو اس مقالے میں نظرانداز کیا ہے اور مدنی دور کے بھی تمام واقعات کے احاطہ واستیعاب کی کوشش نہیں کی، ورنہ بعض معمولی نوعیت کی غلطیاں ان سے سرزد نہ ہوتیں۔ تاہم ان کا مقالہ نہایت قیمتی ہے۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ راقم الحروف (پروفیسر ظفر احمد) نے عالم اسلام میں پہلی مرتبہ اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ قمری ہجری، قمریہ شمسی ہجری اور عیسوی تقویم کے تقابل کے ساتھ سیرتِ طیبہ کے تمام واقعات وحوادث پر مکمل توقیتی مباحث ناظم آباد کراچی سے شائع ہونے والے شش ماہی مجلّہ ''السیر ۃ عالمی'' کے متعلقہ شماروں میں پیش کردیے ہیں اور تمام توقیتی تضادات کو دور کیا ہے۔ ایسے متعلقہ قواعد وضع کیے ہیں اور ایسی مبسوط جداول وغیرہ پیش کی ہیں کہ دنیا کی کسی اَور کتاب میں نہیں ملیں گی، تاہم خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہماری مساعی جاری رہنی چاہئیں۔ **و اللّٰہ ولیُّ الاُمور**.

حوالہ جات وحواشی

1۔ ''ربیع الاوّل اور اس کے متعلقات'' کے عنوان پر میرا کوئی ایک سو سے زائد صفحات پر مقالہ ششماہی مجلّہ ''السیر ۃ عالمی'' شمارہ نمبر 32 میں اور اس کے مزید متعلقہ امور مع مکمل حسابی قواعد شمارہ نمبر 33 میں شائع ہوچکے ہیں۔

1۔ القرآن: 81:9 2۔ القرآن: 32:10 3۔ القرآن: 28:53

4۔ طبقات ابن سعد، جلد دوم، ص173، 175 5۔ المغازی 1103/3

6۔ اسی لیے اس ''نَسِـــیْء'' کی رسم کو قرآن حکیم نے ''زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ'' یعنی کفر میں زیادتی اور ''يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ'' (37:9) گمراہی قرار دیا ہے۔ (آزاد)

7۔ القرآن: 1:65 8۔ البدایہ والنہایہ، 355/4 9۔ جمع الفوائد، جلد اوّل، حدیث رقم 3349

مطالعۂ تاریخ

تحریکِ ریشمی رومال سے متعلق اہم دستاویزات

غالب نامہ اور دیگر اہم خطوط (متن و اردو ترجمہ)

تحقیق و ترجمہ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(1)

عرضِ مرتب

تحریکِ ریشمی رومال کے حوالے سے اب تک جو تحریرات و دستاویزات سامنے آچکی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریکِ آزادی سے متعلق افغانستان اور یاغستان سے بھیجی گئی تحریرات اور خطوط دو دفعہ انگریزوں کے ہاتھ لگیں۔ پہلی دفعہ افغانستان سے تحریر کردہ وہ خطوط تھے، جو جولائی 1916ء میں تحریر کیے گئے اور 31/ اگست 1916ء کو انگریز حکومت کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کے ہاتھ لگے۔ ان مکتوبات کی تفصیل یہ ہے:

1۔ مکتوب امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ بنام شیخ عبدالرحیم۔
مکتوبہ ۹/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ/ 10/ جولائی 1916ء

2۔ مکتوب حضرت سندھیؒ بنام شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بہ سلسلہ حکومتِ مؤقتۂ ہند
(مکتوبہ 10/ جولائی 1916ء)

3۔ مکتوب مولانا محمد میاں انصاریؒ بنام حضرت مولانا محمود حسنؒ۔
مکتوبہ ۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ/ 9/ جولائی 1916ء

یہ مکتوبات حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ نے ''تحریکِ شیخ الہندؒ: انگریزی سرکار کی زبان میں ریشمی خطوط سازش کیس اور کون کیا تھا؟'' کے عنوان سے انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ریکارڈ کے اُردو ترجمے کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیے ہیں۔

دوسری دفعہ آزاد قبائلی علاقے یاغستان سے حضرت مولانا محمد میاں انصاریؒ نے 4/ اگست 1917ء کو چند خطوط اور دستاویزات حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ارسال کیں، جو انگریزوں کے ہاتھ لگیں۔ اس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

4۔ مکتوب مولانا محمد میاں انصاریؒ بنام مولانا حسین احمد مدنیؒ۔
مکتوبہ ۱۵/ شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (4/ اگست 1917ء)

اس خط کے ساتھ درجِ ذیل سات خطوط اور دستاویزات لف ہیں:

۱۔ عرض داشت جمعیۃ حزب اللہ یاغستان بہ خدمت اعلیٰ حضرت سلطان المعظم خلیفۂ عثمانی

۲۔ عرض داشت علمائے و خوانین یاغستان

بہ جواب نامہ حضرت غالب پاشا والیٔ حجاز بہ خدمت اعلیٰ حضرت سلطان المعظم

اس عرض داشت کے ساتھ والیٔ حجاز غالب پاشا کے عربی متن پر مشتمل اصل خط کا عکس بھی لف ہے۔

۳۔ مکتوب مولانا محمد میاں انصاریؒ بہ خدمت حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس سرہٗ

۴۔ فہرست مراکزِ سرحد یہ منظور کردۂ حکومتِ افغانستان

۵۔ مکتوب مولانا فضل ربیّ بہ خدمت حضرت مولانا شیخ الہندؒ

۶۔ مکتوب نواب دیر بہ خدمت جناب مُلاّ صاحب بابڑہ

۷۔ مکتوب قاضیٔ دِیر بہ نام مولوی فضل ربیّ

ان مکتوبات اور دستاویزات میں سے چند کے عکس ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے اپنی کتاب ''خطوط ریشمی رومال تحریک اور سندھ'' میں شائع کیے ہیں، لیکن ایک اہم مکتوب کا اس کتاب میں صرف تذکرہ ہے، اُسے پورا شائع نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد میاں انصاریؒ کی ارسال کردہ ان دستاویزات اور مکتوبات میں سب سے اہم اور مفصل مکتوب وہ ہے، جو حضرت مولانا انصاریؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے نام ۱۵؍شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ/ 4؍اگست 1917ء کو تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے افغانستان اور یاغستان کے حالات سے متعلق بہت سے امور پر مفصل اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ مکتوب فارسی زبان میں ہے۔ اس مکتوب کا اصل متن اور اُردو ترجمہ ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوا۔ نہ معلوم اس کی کیا وَجہ ہوئی۔ حال آں کہ یہی وہ مکتوب ہے جو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے مقاصد اور اُن کے کام کی وسعت کو خوب واضح کرتا ہے۔ اس سے ان حضراتؒ کی عظیم جدوجہد کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ان دستاویزات میں غالب نامے کا اصل عربی متن بھی شامل ہے۔ یہ پورا عربی متن بھی اب تک کہیں شائع نہیں ہوا ہے۔ مطبوعہ کتابوں میں اس کا اُردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔

تحریکِ ریشمی رومال سے متعلق دوسری دفعہ انگریزوں کے ہاتھ آنے والے مکتوبات اور دستاویزات انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ چناں چہ ذیل میں ان مکتوبات اور دستاویزات کا اصل عربی اور فارسی متن اور ان کا اُردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔ ان میں غالب پاشا کا اصل عربی متن پر مشتمل تحریری فرمان بھی شامل ہے۔ ہم نے اصل دستاویزات کو سامنے رکھ کر ان کا پورا تحقیقی متن مرتب کیا ہے۔ مولانا محمد میاں انصاریؒ کا مکتوبِ گرامی بنام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بہت مفصل ہے۔ اس لیے اس کے پیراگراف بنا کر ذیلی عنوانات بھی قائم کر دیے گئے ہیں، تاکہ افادہ آسان ہو جائے۔ ان تمام عربی اور فارسی دستاویزات کا ولی اللّٰہی اُسلوبِ ترجمہ پر اُردو ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ نیز جن شخصیات کا ان خطوط میں تذکرہ ہے، حواشی میں اُن میں سے کچھ کے مختصر حالات بھی بیان کیے گئے ہیں، تاکہ خطوط کا پس منظر اور پیش منظر سمجھنے میں آسانی ہو۔ (مرتب)

www.rahimia.org

مکتوبِ گرامی حضرت مولانا محمد میاں انصاریؒ

بنام

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ

بسم اللّٰہ

بہ خدمت بابرکت مخدومنا جناب مولانا الشیخ سیّد حسین احمد صاحب مدرّس الحرم مع برادرانِ شاں **عمَّ فیوضھم**

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

بندہ جس وقت ہندوستان (ربیع الاوّل ۱۳۳۴ھ/ شروع فروری 1916ء) [1] پہنچا، غوغا تھا کہ حضرت مولانا (شیخ الہند محمود حسن) مدظلہم کو مع کل جماعت کے انگریز نے عدن میں قید کردیا۔ اب یہ مشہور ہے کہ شریفِ مکہ (حسین) نے خدانخواستہ حضرت مدظلہم کو گرفتار کرکے انگریزوں کو دے دیا۔ خدا تعالیٰ سے اس کی امید نہیں۔ ایک عریضہ حضرت کی خدمت میں ارسال ہے۔ اگر حامل عریضہ کو حضرت سے ملاقات نہ ہو تو آپ صاحبوں میں سے جو بھی موجود ہوں، وہ مہربانی فرما کر میرے عریضے کا ترکی میں ترجمہ کرا کر بہ ذریعہ والیٔ مدینہ منورہ بہ خدمت حضرت انور پاشا [2] وزیر اعظم خلافتِ سنیہ روانہ فرما دیں۔ ضروری ہے۔

حامل عریضہ کو جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو، اس سے دریغ نہ فرماویں۔

حضرت والد صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ اور بچوں کو دعوات پہنچے۔

والسلام مع الاکرام

عرضے محمد میاں عفا اللہ عنہٗ انصاری ابوایوبی

۱۵ر شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (4/ اگست 1917ء)

باقی احوال، یہ صاحب حامل عریضہ زبانی بیان فرمائیں گے۔ ان کو بھی آپ ترجمہ زبانِ ترکی میں فرما کر بہ خدمت حضرت عالی انور پاشا روانہ فرما دیں۔ یہ احوال اب معلوم ہوئے ہیں۔

محمد میاں عفا اللہ عنہٗ انصاری

(اس خط کے ساتھ لف شدہ) فہرست تحریرات

۱۔ نمونہ عرض داشت جمعیۃ حزب اللہ یاغستان بہ خدمت اعلیٰ حضرت سلطان المعظم **خلّد اللّٰہ مُلکہ**

۲۔ نمونہ عرض داشت علمائے و خوانین یاغستان بہ جواب نامہ حضرت غالب پاشا والیٔ حجاز بہ خدمت اعلیٰ حضرت سلطان المعظم

۳۔ عریضۂ بندہ بہ خدمت حضرت مولانا (شیخ الہند محمود حسن) مدظلہٗ العالی

۴۔ فہرست مرکزِ سرحد یہ منظور کردۂ دولتِ افغانستان

۵۔ عریضہ مولوی فضل ربیّ صاحب بہ خدمت حضرت مولانا مدظلہٗ العالی

۶۔ عریضہ نواب دیر بہ خدمت جناب مُلّا صاحب بابڑہ

۷۔ خط قاضئ دیر بہ نام مولوی فضل ربیّ صاحب

ان سب کا ترجمہ تُرکی میں کرا کر اور ایک بڑے لفافے میں یک جا بند کر کے اُس پر حضرت عالی انور پاشا کا پتہ لکھ دیا جائے۔ اور والئ مدینہ منورہ کی معرفت یا جو صورت احسن آپ کو معلوم ہو، اُس طریقے سے حضرتِ انور میں روانہ فرما دیں۔ رازداری کا نہایت لحاظ رہے۔ اور اصل ترجمہ کی ہمراہ ہو۔

قیصرِ جرمن کے خطوط ریاست ہائے ہند کے نام راجہ مہندر پرتاب نے ترکستان سے روانہ فرمائے ہیں۔ اُن کے پہنچانے کا جلد انتظام کیا جائے گا۔[3]

اس ڈاک کا جواب اگر حضرت عالی انور پاشا سے حامل عرائض ہذا کے ہاتھ روانہ فرماسکیں تو اس سے یہاں بہت کچھ تحریک پیدا ہوسکتی ہے۔ ورنہ جس افسرِ تُرکی کو لفافہ دیا جائے، اُس سے باضابطہ رسید لے کر ضرور روانہ فرماویں۔ اگر حضرت عالی انور پاشا سے صرف رسید ڈاک حاصل ہو سکے تو نورٌ علیٰ نور۔

یہ امر خوب ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اگر ایرانی راہ یا بہ صورتِ صلحِ روس روسی ریل کے ذریعے سے کچھ عسکرِ سلطانی حدودِ ہرات وغیرہ پہنچ جائیں تو نائب السلطنت (سردار نصراللہ خان) امیر کابل (امیر حبیب اللہ خان) سے بغاوت بھی کر کے ہند پر حملہ کرسکتا ہے۔ عسکرِ سلطانی کے حدودِ افغانستان پر پہنچنے کی صورت میں لازم ہے کہ اس کی صحیح اطلاع ہم کو یاغستان میں جس طرح ہو سکے، پہنچائی جائے۔ ہم اُس نشان پر اعتماد کریں گے جو ہم سے غالب پاشا نے مقرر فرمایا ہے۔ فقط

محمد میاں عفا اللہ عنہٗ انصاری

☆

(۱)

نمونۂ عرض داشت

جمعیۃ حزب اللہ کہ از مہاجرین و انصار یاغستان مرکب
و زیر سرپرستی و صدارت حضرت مولانا سلطان العلماء قائم است

(یہاں گول مہر لگی ہوئی ہے، جس کی عبارت درجِ ذیل ہے:)

[۱۳۳۱ھ ألا إنّ حزب اللّٰہ ھم الغالبون ۱۳۳۵ھ]

بہ توسط

مخدوم الانام، حامئ اسلام، سلطان العلما، مہاجر فی سبیل اللہ

حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدرِ اعظم جمعیۃ حزب اللہ عَمَّ فُیُوضُھُمْ

بہ ملاحظہ

غوث الاسلام، خليفة المسلمين، أمير المؤمنين، خادم الحرمين الشّريفين

سلطان بن سلطان، سلطان محمد رشاد خان خامس

خلّد اللّٰہ مُلکہ و سلطنتہ

بعد آداب و تسلیماتِ مسنونہ۔

فدویانہ گزارش خدمت آسمان منزلت آں است:

(۱) ما خدامِ اسلام زیرِ سرپرستی حضرت سلطان العلماء مولانا محمود حسن صاحب جمع شدہ بہ نام ''حزب اللہ'' موسوم شدہ ایم، و اِطفائے کفر مقصدِ خود ساختہ ایم۔

(۲) ما بین حدودِ ہندوستان و دولتِ افغانستان یک خطۂ طویل از وزیرستان تا آلائی (حد کشمیر) علاقہ آزاد از اقوامِ جری و غیّور افغانان حنفی المذہب پُر است۔ اقوامِ مذکورہ بہ غیرت و جرأت علاقۂ خود را از اوّل از حکومت انگلیس آزاد داشتہ است۔ دریں علاقۂ ما خدامِ اسلام از عرصہ ۱۳۳۱ھ (1913ء) مراکزِ کار از علاقہ مہمند تا آلائی قائم نمودہ بودیم۔

(۳) بہ مجرد اعلانِ جنگ در بارِ خلافت بہ مقابلۂ انگریز، ما بعض اراکین جمعیۃ حزب اللہ بہ ایمائے حضرت سلطان العلماء از قبضۂ انگریز (ہندوستان) ہجرت بہ جانب مراکز خود کردہ۔ اقوام علاقۂ زآزاد بہ مقابلۂ انگریز حرکت دادیم۔ کہ اقرارش در رِپورٹ گزٹ سرکاری (انگریز) متعلق سنہ گزشتہ (1916) عیسوی ہم موجود است۔ و در تحریکِ ہند افغانستان ہم ناکام، مگر کامل سعی کردہ، و مے کنیم۔

(۴) ما خدامِ اسلام قوتِ مقابلۂ انگریز نہ داریم، علیٰ الخصوص بعد از ختمِ جنگ۔

لہٰذا نہایت بہ ادب گزارش است:

(الف) کہ بہ وقتِ صلحِ عمومی و معاہدۂ بیــنُ الــدُّوَل آزادی علاقۂ آزاد مذکورہ را محفوظ، و تحتِ اثر سریرِ خلافت منظور کنانیدہ شود۔

(ب) برائے تہذیب و تربیت ایں علاقہ خدام دولتِ عالیہ روانہ فرمودہ شوند۔

(ج) اگر در زمانۂ جنگ حاضرہ از نفری افسران و قدرے فوج مع سامانِ جنگ و صرفۂ خوراک دریں جا بہ رسد لکھوکھا فوج غازیانِ جنگ آزمودہ بلاتنخواہ حاضر تواں شد۔ و ایں در حرکت آوردن افغانستان ہم تدبیر کارے خواہد شد۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حق تعالیٰ مارا برائے خدماتِ در بارِ خلافت از مزید توفیقات سرفراز فرماید۔ آمین ثم آمین!　فقط

المرقوم ۱۷ر شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (6؍اگست 1917ء)

مکرر آں کہ فرمانِ غالب پاشا والئ حجاز شریف (کہ مشتمل بر وعدۂ حفاظت شرکائے جنگِ عمومی بود، و بذریعہ مولوی (محمد میاں) صاحب ابوالحامد انصاری ابوایوبی رسیدہ است) باعثِ جرأت عرض داشت ہذا است۔　فقط

(مہر) جناب حاجی صاحب ترنگ زئی مہاجر و غازی فی سبیل اللہ — صدر جمعیۃ حزب اللہ یاغستان
(مہر) غازی معروف جناب مُلّا صاحب بابڑہ — صدر انصار جمعیۃ حزب اللہ
(مہر) مولوی عبدالعزیز مہاجر عفی عنہٗ — رُکن جمعیۃ حزب اللہ
(مہر) مولوی فضل ربیّ صاحب — مہاجر رُکن جمعیۃ حزب اللہ

(اُردو ترجمہ)

عرض داشت

من جانب جمعیۃ حزب اللہ

جو یاغستان کے مہاجرین و انصار سے مرکب ہے۔

اور حضرت مولانا سلطان العلما (مولانا محمود حسن) کی زیرِ صدارت اور سرپرستی قائم ہے۔

بہ توسط

مخدوم الانام، حامیٔ اسلام، سلطان العلما، مہاجر فی سبیل اللہ

حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدرِ اعظم جمعیۃ حزب اللہ **عَمَّ فُیُوضُهُمْ**

بہ ملاحظہ

غوث الاسلام، خليفة المسلمين، أمير المؤمنين، خادم الحرمين الشّريفين

سلطان بن سلطان، سلطان محمد رشاد خان خامس

خلّد اللّٰه مُلکه و سلطنته

آداب وتسلیماتِ مسنونہ کے بعد!

آپ بلند مرتبت کی خدمت میں فدویانہ گزارش یہ ہے کہ:

(۱) ہم اسلام کے خادم حضرت سلطان العلما مولانا محمود حسن صاحب کی زیرِ سرپرستی ''حزب اللہ'' کے نام سے موسوم ہو کر جمع ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنا مقصد کفر کی طاقتوں کو توڑنا ٹھہرایا ہے۔

(۲) ہندوستان اور حکومتِ افغانستان کے درمیان ایک طویل خطہ وزیرستان سے لے کر (کشمیر کی حد پر واقع) آلائی تک ایک آزاد علاقہ ہے۔ یہ علاقہ حنفی مذہب ماننے والے غیور افغانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ اقوام اپنی غیرت اور جرأت کے سبب اپنے علاقے کو شروع دن سے انگریز حکومت سے آزاد رکھے ہوئے ہیں۔ اس علاقے میں ہم اسلام کے خادم ۱۳۳۱ھ (1913ء) کے زمانے سے اس کام کے ایسے مراکز رکھتے ہیں، جو علاقہ مہمند سے آلائی تک قائم ہیں۔

(۳) جب دربارِ خلافت نے انگریز کے مقابلے میں اعلانِ جنگ کیا تو حضرت سلطان العلما (مولانا محمود حسن) کے اشارے

www.rahimia.org

پر ہم جمعیۃ حزب اللہ کے بعض اراکین نے انگریزوں کے قبضے کے علاقے (ہندوستان) سے اپنے ان مراکز کی طرف ہجرت کرلی ہے۔ ہم اس آزاد علاقے کی اقوام کو انگریز کے مقابلے میں متحرک کررہے ہیں۔ جس کا اقرار گزشتہ عیسوی سال (1916ء) کی سرکاری گزٹ رپورٹ میں بھی موجود ہے۔ جب کہ ہندوستان کی تحریک میں افغانستان بھی ناکام ہے، مگر ہم نے مکمل کوشش کی ہے اور کررہے ہیں۔

(۴) ہم اسلام کے خادم انگریز کے مقابلے کی قوت پوری نہیں رکھتے ہیں۔ خاص طور پر جنگ کے خاتمے کے بعد۔ اس لیے نہایت ادب کے ساتھ یہ گزارش ہے کہ:

(الف) عمومی صلح کے موقع پر اور حکومتوں کے درمیان معاہدے کے وقت اس آزاد علاقے کی آزادی کو محفوظ رکھا جائے۔ اور اسے تختِ خلافت کے زیرِ اثر علاقے کے طور پر منظور کرایا جائے۔

(ب) اس علاقے کی تہذیب و تربیت کے لیے خلافتِ عالیہ کی حکومت کے افسران روانہ فرمائے جائیں۔

(ج) اگر اس موجودہ جنگ کے زمانے میں افسران کی ایک نفری اور سامانِ جنگ خوراک کے خرچ کے ساتھ کچھ فوج اس جگہ بھیجی جائے تو یہاں لاکھوں کی فوج، جنگوں میں آزمائے ہوئے غازی بغیر تنخواہ کے حاضرِ خدمت ہوسکتے ہیں۔ یہ عمل افغانستان کو بھی حرکت میں لانے کا سبب بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دربارِ خلافت کی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

المرقوم

۱۷رشوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (6راگست 1917ء)

دوبارہ یہ عرض ہے کہ حجاز کے والی غالب پاشا کے فرمان (جو جنگِ عمومی میں شرکت کرنے والوں کی حفاظت کے وعدے پر مشتمل تھا اور بہ ذریعہ مولوی محمد میاں صاحب، ابوالحامد انصاری ابوایوبی ہمیں پہنچا تھا۔) کے سبب اس عرض داشت کو پیش کرنے کی جرأت ہوئی ہے۔ فقط

(مہر) جناب حاجی صاحب ترنگ زئی مہاجر و غازی فی سبیل اللہ
صدر جمعیۃ حزب اللہ یاغستان

(مہر) غازی معروف جناب مُلّا صاحب بابڑہ
صدر انصار جمعیۃ حزب اللہ

(مہر) مولوی عبدالعزیز مہاجر عفی عنہ
رُکن جمعیۃ حزب اللہ

(مہر) مولوی فضل ربیّ صاحب مہاجر
رُکن جمعیۃ حزب اللہ

☆

www.rahimia.org

(۲)

نمونہ عرض داشت علما و خوانین یاغستان

بہ جواب غالب نامہ

مؤرخہ یکم ⁄ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (21 ⁄ جون 1917ء)

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

بہ توسط

غازی فی سبیل اللّٰہ، سر حلقۂ أھل اللّٰہ، تاج الأصفیاء، سلطان العلماء

حضرت مولانا محمود حسن صاحب **عمّ فیوضہٗ**

بہ ملاحظۂ عالی

خُدّام سلطان الدّین، خاقان البحرین، خادم الحرمین الشّریفین، أمیر المؤمنین، خلیفة رسول ربّ العالمین

سلطان ابن سلطان، اعلیٰ حضرت سلطان محمد (رشاد) خان خامس **خلّد اللّٰہ مُلکہٗ و سلطنتہٗ**

بعد آداب و نیازِ مسنونہ، قابلِ دربارِ شاہانہ، معروض آں کہ:

ما مسلمانانِ یاغستان، علاقۂ مہمند و باجوڑ وغیرہ تا علاقۂ آلائی حسبِ ہدایات خدام حضرت سلطان العلماء مولانا محمود حسن صاحب ہندی دریں جنگِ حاضرہ قوتِ خود را بہ مقابلۂ انگریز برحدود پشاور وغیرہ (ہند) صَرف نمودہ۔ یک قوتِ عظیمہ را از مقابلۂ افواجِ قاہرہ آں حضور اقدس باز داشتہ ایم۔ وتا اختتامِ جنگ بعونہٖ تعالیٰ خواہیم داشت۔

علاوہ ازیں دیگر برادرانِ ما در علاقہ جاتِ تیراہ (آفریدی) و وزیرستان و محسود ہم دریں زمانہ در جہاد مصروف ہستند۔ چوں کہ مایان خدامِ دربارِ خلافت دشمنی انگریز را ظاہر نمودہ، بہ غرضِ حمایتِ دینِ متینِ خود، انگریز را بہ جنگ و ڈاکہ جات بسیار تکلیف دادیم۔ بدیں وَجہ انگریز بعد از ختمِ جنگ ضرور است کہ قوتِ کاملہ خود را در محور کردنِ ما صَرف نماید۔ و ما ہرگز قوتِ مقابلہ بہ قوتِ کاملہ اش نہ داریم۔

لہٰذا بہ کمالِ ادب و اُمید گزارش است کہ:

(الف) حسبِ وعدۂ قائم مقامِ خود حضرت غالب پاشا والی و قائد صوبہ حجاز شریف اوّل در عہد نامہ دولتے صورت حفاظت کل یاغستان نمودہ شود۔

(ب) وبعد ازاں ملکِ ما را بذریعہ خدامِ خویش ترقی دادہ شود۔

باقی احوال از عریضہ جناب مولانا محمد میاں صاحب انصاری ابوایوبی منکشف خواہد شد۔

حق تعالیٰ ملکِ ما را زیر سایہ سریرِ خلافتِ عالیہ عثمانیہ سرسبز و شاداب کند۔ آمین ثم آمین! فقط

والسلام **هو اُلوف الإکرام**

عریضۂ اَدب

(مہر) صاحبزادہ فضلِ قادر صاحب بنوری (مہر) غازی مشہور و معروف جناب مُلّا صاحب بابڑہ

پیرخانہ خوانین علاقہ چارمنگ و نواب دیر و صوات

(مہر) مولوی فضلِ ربیّ مہاجر (مہر) محمود خان، خان چارمنگ خورد

(مہر) مدار خان، خان چارمنگ خورد (مہر) زور آور خان، خان کوٹگی (دستخط) محمد ایوب خان

(اُردو ترجمہ)

یاغستان کے علما اور خوانین کی عرض داشت

بہ جواب غالب نامہ

مؤرخہ یکم/رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (21/جون 1917ء)

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

بہ توسط

غازی فی سبیل اللّٰہ، سر حلقۂ أهل اللّٰہ، تاج الأصفیاء، سلطان العلماء

حضرت مولانا محمود حسن صاحب عمّ فیوضہٗ

بہ ملاحظۂ عالی

خُدّام سلطان الدّین، خاقان البحرین، خادم الحرمین الشّریفین، أمیر المؤمنین، خلیفۃ رسول ربّ العالمین

سلطان ابن سلطان، اعلیٰ حضرت سلطان محمد خان خامس

خلّد اللّٰہ مُلکہٗ و سلطنتہٗ

دربارِ شاہانہ کے قابل آداب اور نیازِ مسنونہ کے بعد عرض یہ ہے کہ:

ہم یاغستان کے مسلمان جو علاقہ مہمند، باجوڑ وغیرہ سے لے کر علاقہ آلائی تک رہتے ہیں، حضرت سلطان العلما مولانا محمود حسن صاحب ہندی کے خادم ہیں اور ان کی ہدایات کے مطابق اس جنگ میں ہم نے اپنی تمام تر قوت انگریز کے مقابلے میں پشاور وغیرہ کی حدود میں صَرف کردی ہے۔ ہم دوبارہ بھی آپ حضور اقدس کے لیے ایک بڑی مضبوط فوج سے مقابلے کی ایک عظیم قوت رکھتے ہیں۔ اور ان شاء اللہ! اللہ کی مدد سے جنگ کے اختتام تک اپنی قوت برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ علاقہ جات تیراہ (آفریدی)، وزیرستان اور محسود کے ہمارے برادران بھی اس زمانے میں جہاد میں مصروف ہیں۔ چوں کہ ہم دربارِ خلافت کے خادموں نے انگریز کی دشمنی ظاہر کردی ہے اور اپنے دینِ متین کی حمایت کی غرض سے جنگ اور

www.rahimia.org

شب خون مارنے کے سلسلے کے ذریعے سے انگریزوں کو بہت زیادہ تکلیف دی ہے۔ اس وجہ سے اس جنگ کے خاتمے کے بعد انگریز ضرور اپنی پوری طاقت سے ہمیں مٹانے کی کوشش کرے گا، جب کہ ہم اُس کی مکمل قوت کا مقابلہ کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔

لہٰذا پورے ادب اور اُمید کے ساتھ گزارش ہے کہ:

(الف) آپ اپنے قائم مقام حضرت غالب پاشا والی و قائد صوبہ حجاز شریف کے وعدے کے مطابق کسی حکومت سے جو پہلا معاہدہ کریں، اُس میں یاغستان کی حفاظت کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

(ب) اس کے بعد ہمارے ملک کو اپنے ماتحت افسروں کے ذریعے سے ترقی یافتہ بنایا جائے۔

جناب مولانا محمد میاں انصاری ابوایوبی کے تفصیلی خط سے باقی حالات پر آپ مطلع ہوجائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک کو خلافتِ عالیہ عثمانیہ کے زیرسایہ سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین ثم آمین! فقط

ہزاروں اعزازات کے ساتھ والسلام

عریضۂ ادب

(مہر) صاحبزادہ فضلِ قادر صاحب بنوری (مہر) غازی مشہور ومعروف جناب مُلّا صاحب بابڑہ

پیرخانہ خوانین علاقہ چارمنگ ونواب دیروصوات (سوات)

(مہر) مولوی فضلِ ربیّ مہاجر (مہر) محمود خان، خان چارمنگ خورد

(مہر) مدار خان، خان چارمنگ خورد (مہر) زورآور خان، خان کوٹکی (دستخط) محمد ایوب خان

☆

غالب نامہ کا اصل عربی متن

(ناقل: حضرت مولانا محمد میاں انصاری)

نقل فرمان ذیشان حضرت غالب پاشا والئ حجاز شریف

وقائم مقام اعلیٰ حضرت خلیفۂ رسولِ ربّ العالمین، امیر المؤمنین دام اِقبالہٗ

لا يخفىٰ أنّ الحرب العمومي منذ عام واحد سرىٰ إلىٰ الحكومة الإسلامية العثمانية. و قد هاجمت الأعداء للإسلام —أى روسيّين و الإنگليزيّين و الفرانساويين — علىٰ الممالک العثمانية برّاً و بحراً.

و عليه أعلن حضرةُ خليفة رسول ربّ العالمين، و أمير المؤمنين مولانا السُّلطان مستنداً علىٰ عون اللّٰه و عنايته، و مستمدّاً من روحانية خاتم الأنبياء عليه الصّلوٰة و السّلام الجهاد الأقدس.

و قد اعتنق كلّ من المسلمين سلاحهٗ بكلّ الأنحاء، و بادروا بالجهاد فى سبيل اللّٰه تعالىٰ بأروبا، و

www.rahimia.org

آسیا، و افریقیا. فنحمد اللّٰہ سبحانہٗ و تعالیٰ علیٰ أنّ الفیالق العُثمانیۃ و کافّۃ مجاھدین الإسلام حازوا الغالبیۃ علیٰ الأعداء، و کسروا قوّۃ الأعداء مادّۃً و معناً. و قد اُمحیت فیالق متعدّدۃ لروسیا فی قافقاسیۃ، و مائۃ اُلوف من جنود إنگلترہ و فرانسہ، و اسطوا لھم بالدّرد نیل.

و بجھۃٍ اُخریٰ فیالق متّفقین الدّولۃ الدّائمۃ العُثمانیۃ؛ الألمانیۃ، و أوستریا، أعدموا الرّوسیّین شرقاً، و بلجیکا، و فرانسہ غرباً. و استولوا علیٰ ثلث أراضی الرّوسیّین، و الفرانساویین، و تمام ممالک بالجیکا. و اغتنموا منھم ملایینا من الاُسریٰ، و مدافع، و بنادق، و لوازمھا بعدد لا تحصیٰ. و الآن قد داخل البلغاریّین مع متّفقیننا، و دخلوا علیٰ أرض صربیا، و غلبوھم.

فبناءً علیٰ ذٰلک اعلم مع تحیاتی الوافرۃ جمیع المُسلمین الّذین ھُم تحت اُسارتھم، ھُم تماماً مغلوبین، و منھزمین، و عاجزین. فالقدرۃ الّتی یوروھا لکم لم تکن إلاّ خیالاً محضاً.

أیُّھا المسلمون! الیوم لکم یوم نجات فلا تکونوا راضین بالذّلّ، و المسکنۃ، و الإسارۃ. و قد حالفکم النّصر، و الظّفر، و الفرج، و الفوز، فأفیقوا عن النّوم، واتّحدوا، و اتّفقوا.

و استکملوا تشکیلاتکم، و ھمّوا بإحضار السّلاح کافّ لکم.

و اھجموا علیٰ الحکومات الظّالمۃ النّصرانیۃ، الّتی أنتم تحت إسارتھا.

و اکسروا سلاسل الإسارۃ الّتی ھی علیٰ عنقکم الضّعیفۃ، بقوّۃ دینکم و حلاوۃ إیمانکم. حتّیٰ تکونوا مالکین علیٰ حقوق حیاتکم و حُرّیۃ الإنسانیۃ.

فبحولہٖ تعالیٰ عند ما نعقد المعاھدات بکمال النّصر و الظّفر بعھد قریب، ندافع عن حقوقکم. فلأجلہ بادروا السّعی بعزم قویّ لخنق الأعداء، و أظھر التّنفّر و العداوۃ لھم. و نحن ننظرکم بعین الإمتنان و لا تفوتوا الفرصۃ، و غایۃ الرّجاء من المولیٰ المتعال حصول مؤفقیاتکم دوماً.

فیکون معلوماً أنّ مولیٰ محمودحسن أفندی السّابق بدارالعلوم دیوبند بالھند قد راجعنا، و تشاورنا، و تذاکرنا معہٗ فی ھٰذا الأمر المُھِمّ، و اتّخذنا المقرّرات بیننا، و أعطیتُ لہٗ التعلیمات الّلازمۃ فیکون الاعتماد لہٗ تماماً ممّن یُراجعہٗ ضابطاً کان، أو عسکریّاً کان، أو ماموراً و حلافھم. و یجری لہٗ المعاونۃ کما یقتضی.

۱۹/ ذوالحجّ ۱۳۳۳ھ (28/ اکتوبر 1915ء)
والی الحجاز و قائدھا
(دستخط) غالب پاشا (مھر)

----

www.rahimia.org

اُردو ترجمہ غالب نامہ

فرمان ذیشان حضرت غالب پاشا والیٔ حجاز شریف
و قائم مقام اعلیٰ حضرت خلیفۂ رسولِ ربّ العالمین، امیر المؤمنین دام اِقبالۂ

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جنگِ عمومی (عظیم) گزشتہ ایک سال سے عثمانی اسلامی حکومت تک پھیل چکی ہے۔ اسلام کے دُشمنوں یعنی روسیوں، انگریزوں اور فرانسیسیوں نے عثمانی ممالک پر زمینی اور بحری حملے شروع کر دیے ہیں۔ اس موقع پر ربّ العالمین کے رسولؐ کے خلیفہ، حضرت امیر المؤمنین، ہمارے سردار سلطان (محمد رشاد خان خامس) نے محض اللہ کی مدد، اُس کی عنایت اور خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی طاقت کی امداد کے بھروسے پر جہادِ مقدس کا اعلان کر دیا ہے۔

(اس اعلان پر) ہر طرف کے مسلمانوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے ہیں اور وہ یورپ، ایشیا اور افریقا میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ پس ہم اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ عثمانی فوجیں اور تمام مجاہدینِ اسلام دُشمنوں پر غالب آ رہے ہیں۔ اور انھوں نے دُشمنوں کی مادی اور معنوی طاقت و قوت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ چناں چہ قفقاز میں روس کی فوجوں کا صفایا کر دیا ہے۔ اور انگریزوں اور فرانسیسی فوج کے ایک لاکھ کے قریب لشکر کو تباہ کر دیا ہے۔ اور اُن کے جنگی جہازوں کو درۂ دانیال میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

دوسری طرف ہمیشہ رہنے والی عثمانی حکومت کے اتحادیوں؛ جرمنی اور آسٹریا کے لشکروں نے مشرق میں روسیوں کو ختم کر دیا ہے۔ مغرب میں بیلجیم اور فرانس کو نیست و نابود کر دیا۔ ہماری اتحادی فوجیں روسیوں اور فرانسیسیوں کی ایک تہائی سرزمین اور بیلجیم کے تمام علاقوں پر قابض ہو چکی ہیں۔ اور انھوں نے مالِ غنیمت میں بے شمار رائفلوں، بندوقوں اور دوسرے سامانِ جنگ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور ہزاروں فوجیوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ اور اب بلغاریہ کا لشکر ہمارے اتحادیوں کے ساتھ مل کر سربیا کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور اُس نے اُن پر غلبہ پا لیا ہے۔

اس بنا پر میں تمام ایسے مسلمانوں کو — جو ان مخالفین کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں — اپنی بھرپور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ یہ آگاہ کرتا ہوں کہ ہمارے یہ دشمن مغلوب، کمزور اور شکست کھا چکے ہیں۔ وہ اپنی جو طاقت اور قوت تمھارے سامنے ظاہر کر رہے ہیں، وہ محض خیالی باتیں ہیں۔

اے مسلمانو! آج کا دن تمھارے لیے نجات کا دن ہے۔ اب تم اپنی ذلت، شکست خوردگی اور غلامی پر راضی مت رہو۔ بے شک کامیابی، فتح و نصرت، آزادی اور حریت تمھارے ساتھ ہے۔ تم غفلت کی نیند سے بیدار ہو۔ متحد ہو جاؤ اور باہمی اتفاق برقرار رکھو۔ اور اپنی اجتماعی تشکیلات کو مکمل کرو۔ تم کچھ اس طرح مسلح ہو جاؤ، جو تمھارے لیے کافی ہو۔ اور اُن ظالم عیسائی حکومتوں پر حملے کرو جن کے ماتحت تم غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ اور اپنے دین کی قوت اور اپنی حلاوتِ ایمانی کے سبب غلامی کی زنجیریں توڑ دو، جو تمھاری کمزور گردنوں میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ تم اپنی زندگی کے حقوق اور انسانی حریت کے مالک بن جاؤ۔ ہم اللہ

کی مدد سے مکمل فتح اور کامیابی کے بعد عن قریب جب (دشمنوں کے ساتھ) معاہدات کریں گے تو ہم تمھارے حقوق کی پوری طرح حفاظت اور دفاع کریں گے۔

اس لیے مضبوط عزم کے ساتھ دشمنوں کی گردن مروڑنے کے لیے ہر ممکن جدوجہد اور کوشش کرو۔ اُن سے پوری دشمنی اور نفرت کا اظہار کرو۔ ہم تمھاری طرف پورے بھروسے اور اعتماد کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اس موقع کو ہاتھ سے مت جانے دو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہت زیادہ اُمید ہے کہ وہ تمھاری دلی مرادوں کو پورا کرے۔

تمھیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ قابلِ احترام مولانا محمود حسن — جو ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے سابق اُستاذ ہیں — نے ہم سے رجوع کیا ہے اور ہم نے باہمی مشورہ کیا ہے۔ اور اُن کے ساتھ اس اہم کام کے سلسلے میں ہم نے مذاکرات کیے ہیں اور آپس میں قراردادیں منظور کی ہیں۔ میں نے انھیں اس سلسلے میں ضروری ہدایات دے دی ہیں۔ چناں چہ ہماری طرف سے اُن پر مکمل اعتماد ہے (اور اُن کے حوالے سے) ہر اُس شخص کے لیے اعتماد ہے، جو اُن سے تعلق رکھے، خواہ وہ کوئی عام شہری ہو یا جنگی اور عسکری خدمات سرانجام دینے والا ہو۔ یا جسے وہ کوئی کام سپرد کریں۔ اس لیے تمام لوگ اُن کی پوری پوری معاونت کریں، جتنا کسی کام کا تقاضا ہو۔

۱۹/ ذی الحج ۱۳۳۳ھ (28/ اکتوبر 1915ء)

حجاز کا والی اور قائد

(دستخط) غالب پاشا　(مہر)

☆

(۴)

مراکزِ سرحدیہ حسبِ تجویز دولتِ افغانیہ مع تعداد نفری مددگاران

نمبر شمار	اسم مرکز	اسم صدر مرکز	تعداد اعضائے مجلس	تعداد مددگارانِ مرکز	کیفیت
۱	وزیر احمد زئی	مُلّا حمز اللہ	۳۰	۳۰۰۰۰ سی ہزار	
۲	وزیر اتمان زئی	ملک شادی خان	۳۰	۳۰۰۰۰ سی ہزار	
۳	مسعود (محسود)	خلیفہ فضل دین	۶۰	۲۰۰۰۰ بست ہزار	
۴	ارگزئی (اورکزئی) تیراہ	صاحبزادہ محمود	۵۰	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	

www.rahimia.org

۵	آفریدی تیراہ	مُلّا عبداللہ، مُلّا اللہ اکبر وغیرہ ہشت (۸) نفر	۴۰	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	
۶	خوست و جدران ومنگل	لالا پیر	۷	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	
۷	مہمند و چارمنک و ماموند	مُلّا صاحب بابڑہ	۱۰	۶۰۰۰۰ شصت ہزار	مُلّا بابڑہ در صافی و سالار زئی و جندول و ملیزی و دیر و صوات ہم اثر دارد غازی مشہور وقدیم است
۸	صافی شاخ مہمند	حاجی صاحب ترنگ زئی	۱۲	۷۰۰۰ ہفت ہزار	علاوہ صافی در دیگر شاخ ہائے مہمند ہم اثر دارد بہ تحریک حضرت مولانا محمود حسن از پشاور ہجرت کرد۔ در بُنیر غربی کردہ دریں جا آمد
۹	سالارزئی	جان صاحب	۱۰	۳۰۰۰۰ سی ہزار	
۱۰	جندول	مولوی صاحب کامہ	۱۲	۳۰۰۰۰ سی ہزار	
۱۱	ملیزی و دیر	شاہزادہ صاحب	۱۰	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	
۱۲	صوات و کوہستان	مُلّا صاحب کوہستان	۱۵	۶۰۰۰۰ شصت ہزار	
۱۳	بُنیر	صاحبزادہ چندا خورہ و پاچا مُلّا صاحبان	۷	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	صاحبزدہ چندہ خورہ در صوات مقیم و در صوات و بُنیر ہر دو جا اثر دارد
۱۴	سین کیڑی	امیر مجاہدین	۱۲	۳۰۰۰۰ سی ہزار	امیر مجاہدین چار صد زن و مرد دارد زائد ازیں نیست ایں نفرے سی ہزار اہلِ بُنیر ہم زیرِ اثر پاچا مُلّا اند

www.rahimia.org

۱۵	دیشان	قاضی ہیبت شاہ و مولوی غلام نبی	۱۲	۴۰۰۰۰ چہل ہزار	قاضی ہیبت شاہ انتقال نمود دریں سال إنّا للّٰه و إنّا إليه راجعون
۱۶	آلائی و کوہستان اباسین	محمد شفیع و مولوی احمد صاحب	۱۵	۶۰۰۰۰ شصت ہزار	
۱۷		میزانِ کُل	۳۳۲	۵۹۷۰۰۰ پنج لکھ نود و ہفت ہزار	

(اُردو ترجمہ)

حکومتِ افغانستان کی تجویز کے مطابق سرحد کے مراکز اور معاون نفری کی تعداد

نمبر شمار	اسم مرکز	اسم صدر مرکز	تعداد اراکین مجلس	تعداد مددگارانِ مرکز	کیفیت
۱	وزیر احمد زئی	مُلّا حمزاللہ	۳۰	۳۰۰۰۰ تیس ہزار	
۲	وزیر اتمان زئی	ملک شادی خان	۳۰	۳۰۰۰۰ تیس ہزار	
۳	مسعود (محسود)	خلیفہ فضل دین	۶۰	۲۰۰۰۰ بیس ہزار	
۴	ارگزئی (اورکزئی) تیراہ	صاحبزادہ محمود	۵۰	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	
۵	آفریدی تیراہ	مُلّا عبداللہ، مُلّا اللہ اکبر وغیرہ ہشت (۸) نفر	۴۰	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	
۶	خوست و جدران و منگل	لالا پیر	۷	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	

www.rahimia.org

۷	مہمند و چارمنک و ماموند	مُلّا صاحب بابڑہ	۱۰	۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار	مُلّا بابڑہ صافی، سالارزئی، جندول، ملیزئی، دِیر اور سوات میں بھی اثر رکھتے ہیں۔ وہ مشہور غازی اور قدیم ہے۔
۸	صافی شاخ مہمند	حاجی صاحب ترنگ زئی	۱۲	۷۰۰۰ سات ہزار	صافی کے علاوہ مہمند کی دیگر شاخوں میں بھی اثر رکھتے ہیں۔ وہ حضرت مولانا محمود حسن کی تحریک پر پشاور سے ہجرت کر کے آئے ہیں اور مغربی بُنیر کے علاقے میں آئے ہیں۔
۹	سالارزئی	جان صاحب	۱۰	۳۰۰۰۰ تیس ہزار	
۱۰	جندول	مولوی صاحب کامہ	۱۲	۳۰۰۰۰ تیس ہزار	
۱۱	ملیزی و دیر	شاہزادہ صاحب	۱۰	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	
۱۲	صوات و کوہستان	مُلّا صاحب کوہستان	۱۵	۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار	
۱۳	بُنیر	صاحبزادہ چنداخورہ و پاچا مُلّا صاحبان	۷	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	صاحبزادہ چندخور سوات میں مقیم ہیں اور سوات اور بُنیر دونوں جگہ پر اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔
۱۴	سین کیڑی	امیر مجاہدین	۱۲	۳۰۰۰۰ تیس ہزار	امیر مجاہدین چار سو عورتیں اور مرد رکھتے ہیں۔ اس سے زائد نہیں۔ یہ تیس ہزار افراد اہلِ بُنیر کے بھی باچا مُلّا کے زیر اثر ہیں۔

www.rahimia.org

۱۵	دیشان	قاضی ہیبت شاہ ومولوی غلام نبی	۱۲	۴۰۰۰۰ چالیس ہزار	اس سال قاضی ہیبت شاہ انتقال کرگئے ہیں۔ إنّا للّٰه و إنّا إليه راجعون.
۱۶	آلائی وکوہستان اباسین	محمد شفیع ومولوی احمد صاحب	۱۵	۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار	
۱۷		میزانِ کُل	۳۳۲	۵۹۷۰۰۰ پانچ لاکھ ستانوے ہزار	

☆

(۵)

عریضہ مولوی فضلِ ربیّ صاحب

بہ خدمت

حضرت مولانا (شیخ الہند مولانا محمود حسن) مدظلہٗ العالی

(مہر) [فضلِ ربیّ علامہ ۱۳۳۵ھ]

بہ خدمت جناب مخدومنا ومکرمنا قبلہ وکعبہ حضرت مولانا **دام ظِلُّکم**

بعد از سلام مسنون!

گزارش ہست کہ از حد ضروری ہست کہ قدرے فوج براہِ ایران روانہ کردہ شود۔

جناب نائبِ سلطنت (سردار نصر اللہ خان) صاحب! جنابِ والا السلام علیکم گفتہ۔

و بعد سلام گفتہ کہ اگر قدرے فوج بہ راہِ ایران رواں کردہ شود، بہ ذریعہ غازی انور پاشا۔ اگر ایں کار کردہ شود بسیار خوب باشد۔ و بہ مجرد آمدن فوج ما اعلانِ جنگ کنم۔ جواب نائب سلطنت صاحب بہ مولانا مولوی عبید اللہ (سندھی) ذکر کردم۔

مولوی صاحب موصوف گفتہ کہ: ''فتحِ ہندوستان بدوں ایں امر نمے شود۔ نائب سلطنت صاحب درکارِ جہاد بسیار مستعد ہست۔ و ہمہ رعیت دوست بہ او راضی ہست۔ و ایضاً عین الدولہ پسرِ خورد امیر صاحب بسیار آدم نیک ہست۔''

و در جہادے کہ حضرت معصوم ضیاء چار باغی جلال آبادی بسیار آدم مخرب اعلائے کلمة اللّٰه ہست۔ و ہر چہ سستی در اعلانِ جنگ انداختہ، اُو انداختہ۔

نائب سلطنت صاحب آدم خوب، و بہ بندہ بہ غایت مہربانی پیش مے آید۔

www.rahimia.org

اگر قدرے امداد سلطان معظم در یاغستان بہ راہِ ایران یا در عینِ افغانستان آید، فوراً افغانستان اعلانِ جنگ کند۔ یاغستان ہژدہ (۱۸) لاکھ مردم مسلح دارد۔ برائے فتح ہندوستان مردمانِ یاغستان کافی اند، لیکن بے سامان اند۔ توپ خانہ و ہوائی جہاز درکار اند برائے افغانستان۔ و ہر سامان دارد بدوں ہوائی جہاز۔

بزرگانِ قوم جناب حضرت حاجی صاحب (ترنگ زئی) سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کہ بہ پیغام و تحریک جناب والا ہجرت کردہ اند۔ خیالِ اُو در دولتِ عالی و ذکرِ خیر ضروری است، جناب مُلّا صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ بابڑہ کہ از انصارِ ما ہست۔ و اُو را صاحبِ اثر ست و شیخ معروف ہست۔ خط علاحدہ ہم جناب حاجی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ بہ خدمت جنابِ والا روانہ ہست۔

بندہ تا حدودِ کشمیر رفتہ بود از رؤسا و ہشتاد (۸۰) ہزار قوم مسلح بیعتِ جہاد گرفتہ حتیٰ کہ راجہ کشمیر، و نواب دِیر (محمود خان)، و سردار جہانگیر، و غازی خان۔ علی جوہر خان برائے جہاد تیار اند۔ ہنوز تیاری جنگ جاری ہست۔

از جانب مولوی عبدالعزیز صاحب، و مولوی تاج محمد صاحب، و دیگر مہاجرین سلام مسنون بہ رسد۔

حامل عریضہ از دوستان و مخلصان بندہ است۔ سوال و جواب اُو را دادن ضروری است۔

مولوی عزیز گل صاحب و مولوی حسین احمد صاحب را سلام مسنون قبول باد۔ و وحید را۔

(مہر) [فضلِ ربیّ علامہ ۱۳۳۵ھ]

(اُردو ترجمہ)

مولوی فضلِ ربیّ صاحب کا خط

بہ خدمت

حضرت مولانا (شیخ الہند مولانا محمود حسن) مدظلہٗ العالی

(مہر) [فضلِ ربیّ علامہ ۱۳۳۵ھ]

بہ خدمت جناب مخدومنا و مکرمنا قبلہ و کعبہ حضرت مولانا **دام ظِلُّکم**

بعد از سلام مسنون!

گزارش ہے کہ یہ بات بڑی ضروری ہے کہ کچھ فوج ایران کے راستے سے روانہ کردی جائے۔

جناب نائب السلطنت (سردار نصراللہ خان) صاحب جناب والا کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ وہ السلام علیکم کے بعد کہتے ہیں کہ اگر کچھ فوج غازی انور پاشا کے ذریعے ایران کے راستے سے روانہ کردی جائے۔ اگر یہ کام ہوگیا تو بہت بہتر ہوگا۔ صرف فوج کے آتے ہی ہم اعلانِ جنگ کردیں گے۔ نائب السلطنت صاحب کے جواب کا میں نے مولانا مولوی عبیداللہ (سندھی) سے ذکر

کر دیا تھا۔ مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ ہندوستان کو فتح کرنا اس کام کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ نائب السلطنت صاحب جہاد کے کام میں بہت مستعد ہیں۔ (افغانستان کے) تمام عوام اُن کو اچھا سمجھتے اور اُن سے راضی ہیں۔ امیر صاحب کے چھوٹے بیٹے عین الدولہ بھی بہت نیک آدمی ہیں۔

اس جہاد میں حضرت معصوم چار باغی جلال آبادی اللہ کے دین کو غالب کرنے کے معاملے کو بہت خراب کرنے والا آدمی ہے۔ امیرِ کابل کی طرف سے اعلانِ جنگ کے بارے میں جو کچھ سستی ہوئی ہے، وہ اس کی طرف سے ہوئی ہے۔

نائب السلطنت صاحب خوب آدمی ہیں۔ بندہ کے ساتھ انتہائی مہربانی کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

اگر سلطانِ معظم کی کچھ امداد ایران کے راستے سے یا افغانستان میں آئے تو افغانستان فوراً اعلانِ جنگ کردے گا۔ یاغستان میں اٹھارہ لاکھ مسلح افراد ہیں۔ ہندوستان کی فتح کے لیے یاغستان کے لوگ ہی کافی ہیں، لیکن وہ بے سامان ہیں۔ توپ خانہ اور ہوائی جہاز افغانستان کے لیے درکار ہیں۔ ہوائی جہاز کے علاوہ اُس کے پاس ہر طرح کا سامان ہے۔

قوم کے بزرگان میں سے حضرت حاجی صاحب (ترنگ زئی) سلّمہٗ اللہ تعالیٰ جناب والا کی تحریک اور پیغام پر ہجرت کر چکے ہیں۔ دولتِ عالی (سلطانِ ترکی کی خدمت) میں اُن کا خیال اور ذکر خیر ضروری ہے۔ وہ صاحبِ اثر آدمی ہیں اور مشہور شیخ ہیں۔ جناب حاجی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کا علاحدہ خط بھی جناب والا کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔

بندہ کشمیر کی حدود تک گیا تھا۔ وہاں کے امیروں اور اسّی ہزار مسلح قوم سے بیعتِ جہاد لی ہے۔ حتیٰ کہ راجہ کشمیر، نواب دِیر (محمود خان)، سردار جہانگیر، قاضی خان اور علی جوہر خان جہاد کے لیے تیار ہیں۔ ابھی جنگ کی تیاری جاری ہے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب و مولوی تاج محمد صاحب اور دیگر مہاجرین کی طرف سے سلام مسنون پہنچے۔

حامل عریضہ ہٰذا بندہ کے مخلصین میں سے اور دوستوں میں سے ہے۔ اس سے سوال و جواب کرنا ضروری ہے۔

مولوی عزیزگل صاحب اور مولوی حسین احمد صاحب کو سلام مسنون ہے۔ اور وحید کو بھی۔

(مہر) [فضلِ ربیّ علامہ ۱۳۳۵ھ]

☆

(۶)

مکتوب نواب دِیر بنام مُلّا صاحب بابڑہ

بانی بنائے عدل و انصاف، ماحی مراسم بدعت و اعتساف، سالک مسالکِ طریقت، مالکِ ممالکِ شریعت

مخدومی مکرمی مُلّا صاحب بابڑہ مدّ دعواتُه

السّلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاتهٗ

عنایت نامۂ آں مہربان بہ ذریعۂ شرافت پناہ صاحبزادہ صاحب فضل قادر بنوری رَحِمهٗ ربُّهٗ بنا بر استفسارِ حالات ایں خاکسار

بہ وقتِ نیک عزت ورود فرمود۔ ابتہاجِ فراواں حاصل گردید۔

الحمد للّٰہ علیٰ دین الإسلام! الإسلام حقّ و الکفر باطل.

من از طرفِ خود نیز یک ملازمِ خود غلام حیدر مُلاّ صاحب چوکیاتن ؒ۔ معۂ یک تان (تھان) بنیان و یک تان ململ نشانِ حیات ہمراہ صاحبزادہ صاحب موصوف روانہ خدمتِ عالی نمودم۔ محولاتِ لسانی کہ من جانب ایں داعی بالخیر بہ حضور اشرف عرض معروض نمودند۔ بہ ملاحظۂ ذہنِ سلیم و فہمِ مستقیم مبارک خود درآوردہ:

''خُذ ما صفا و دع ما کدِر.''

نیاز مندرا ایں جائے غلامِ حقیقی تصور فرمائید۔ از دعواتِ پنج گانہ محو و منسیٰ نہ فرمائید۔

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا(4) اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ(5)

زیادہ بجز قدم بوسی چہ عرض نماید۔ فقط

مؤرخہ ۲۱/شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ (12/جون 1917ء)

(مہر) [محمود خان ۱۳۲۶ھ] نواب دیر وصوات

(اردو ترجمہ)

مکتوب نواب دیر

بنام

مُلاّ صاحب بابڑہ

عدل و انصاف قائم کرنے کے بانی، تنگ نظری اور بدعت کی رسومات کو مٹانے والے

طریقت کے راستوں پر چلنے والے اور شریعت کے ممالک کے مالک اور رہنما

مخدومی مکرمی مُلاّ صاحب بابڑہ **مدّ دعواتُہ**

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

آں مہربان کا عنایت نامہ شراف پناہ صاحبزادہ صاحب فضلِ قادر بنوری کے ذریعے سے اس خاکسار کے حالات معلوم کرنے کے لیے بہ طور عزت افزائی پہنچا۔ بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ الحمدللہ! کہ ہم دینِ اسلام پر ہیں۔ اسلام حق ہے اور کفر باطل ہے۔

میں اپنی طرف سے بھی اپنے ایک ملازم غلام حیدر مُلاّ صاحب چوکیاتن صاحب کے ساتھ بنیانوں کا ایک تھان اور ایک تھان ململ نشانِ حیات صاحبزادہ موصوف کے ہمراہ خدمتِ عالی میں روانہ کر رہا ہوں۔ اس داعی بالخیر کی جانب سے زبانی گفتگو

حضور اشرف کی خدمت میں یہ پیش کریں گے۔ صاف ستھرے ذہن اور اچھی فہم مبارک ہو۔ اسی سلسلے میں آیا ہے کہ:

''صاف ستھرا لے لو اور جو گدلا ہے، اُسے چھوڑ دو۔''

نیاز مند کو اس جگہ اپنا حقیقی غلام تصور فرمائیں۔ پانچوں وقت کی دعاؤں میں یاد رکھیں اور بھولیں نہیں۔

اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، پس ہمارے گناہوں کو معاف کردے۔ تو ہمارا مولیٰ ہے اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔

قدم بوسی کے علاوہ اَور کیا عرض کروں۔ فقط

مؤرخہ ۲۱/ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ (12/ جون 1917ء)

(مہر)　[محمود خان ۱۳۲۶ھ]　نواب دیر وصوات

☆

(۷)

مکتوب قاضی دیر

بنام

مولانا فضلِ ربیّ

فضائل پناہ فواضل رست گاہ جناب مولوی صاحب رحمۂ ربُّہٗ

السّلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاتہٗ

خیریت طرفین نیک نصیب باد۔

مخدومی مکرمی و نعیمی جناب نواب (دیر محمود خان) صاحب خواہش مے دارد کہ اگر یک آدم دانندۂ کان ہائے اشیائے معدنی کہ عبارت از ہڑتال، وسُرمہ، وزرنیخ، وگوگرد، وسرب وغیرہ اشیائے معدنی پیدا شود، نہایت مہربانی خواہد بود۔ و نیز اگر بہ کمالِ سعی وکوشش آں مہربان توپ مشین گن پیدا مے شود برائے نواب صاحب نہایت مہربانی خواہد بود۔ و نیز یک آدم کاردار از کارخانۂ سلطانی وخواہ کدام دولت بہ کوشش آں مہربان وارد ایں علاقہ جاتِ بعید از عنایت نہ خواہد بودہ۔ امید کہ از کمالِ سعی وکوشش آں مہربان کارخانہ ہائے نواب صاحب از آہن گراں وترکھاناں وغیرہ ماہرینِ فنون وقواعدِ سلطانی آباد شود۔

توپ مشین گن ہر چند قیمت کہ صَرف شود، ادا خواہد کرد۔ وایں نیاز مند را از تابع دار حقیقی تصور فرمائید۔ از خدماتِ لائقہ یاد و شاد مے فرمودہ باشد۔ ودارندۂ خط ہذا مُلّا صاحب چوکیاتن ٹ ہر چہ لسانی بیان نمود صدق دانید۔ زیادہ خیریت۔　فقط

مؤرخہ بر ۱۲ شہر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (2/ جولائی 1917ء)

خادمِ شرعِ نبوی　قاضی دیر عفا اللہ عنہٗ (مہر)

www.rahimia.org

(درآخر مکتوب قاضی دِیر تحریر درج ذیل حضرت مولانا محمد میاں انصاری تحریر شدہ است۔ مرتب)

تحریر آں کہ در ریاست ہائے یاغستان خدامِ والا آغاز نمودہ اند، نمونۂ آں ازیں خط، و نامہ نواب صاحب دِیر وصوات معلوم خواہد شد۔ نواب دِیر قوت پنجاہ ہزار فوج دارد۔ بہ ذریعہ مُلّا صاحب بابڑہ اُو را برائے خلاف انگریز نوشتہ شدہ بود۔ اُو زبانی وعدۂ واثق نمودہ است۔ چناں چہ عبدالمتین خان پسر عمرا خان غازی مرحوم از کابل فرار شدہ آمدہ۔ نواب دِیر اُو را جائے دادہ، باوجود سخت سعیٔ انگریز اُو را نہ کشید۔

بر ریاست عمرا خان مرحوم برادر زادۂ اش قابض و سخت حامیٔ انگریزاں است۔ نواب دِیر بہ مقابلۂ وے از فوج و روپیہ امداد عبدالمتین نمودہ۔ قریب ایں شدہ است کہ بر ریاست جندول عبدالمتین خان را قابض نماید۔ اُمید است کہ در اِمروز و فردا قبضہ شود۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عبدالمتین بہ خدمت جناب مُلّا صاحب بابڑہ حاضر شدہ بود۔ سخت دشمنِ کفار است۔ بعد قبضۂ ایں باقی رؤسائے یاغستان کہ خان خار، و خان جار، خان نوے کلے ہستند۔ انشاء اللہ تعالیٰ از دوستیٔ کفار تائب خواہند شد۔ چرا کہ قوتِ دِیر، وقوتِ جندول ہر دو ایں قدر قوی است کہ باقی ہمہ خوانین را تابع داریٔ شان لازم است۔ خوانین علاقہ چارمنگ خورد، و خان کوکی از اوّل دشمنانِ انگریز اند۔ مجموعہ قوتِ ذاتی شاں قریباً یک ہزار نفر است۔ و معہ اقوام آزاد چارمنگ (کہ در غزے شریک شان مے باشند) تا سہ ۳ ہزار مے رسد۔ دریں خوانین محمود خان قابل ترین و خادمِ دین است۔

انشاء اللہ تعالیٰ از نوابِ دیر و جندول وغیرہم عرض داشت ہا ہمراہ خود خواہم آورد۔ ایں فقط نمونۂ کار و احوال است۔ از دربارِ خلافت اُمید است کہ از حقوقِ ایں نواح غافل نہ خواہد بود۔ و از احیائے ایشائے وسطے کہ از قوتِ اسلامیہ پروردِ زیرِ کفار است، چشم پوشی نہ تواں کرد۔

برائے ترقی و بقائے خلافت علیّہ و حفاظتِ اسلام درخیال بندہ احیائے ایشیائے وسطے علیٰ الخصوص ہندوستان از افریقا کم نیست۔ پس لازم است کہ ما ہمہ وسائل خویش را دریں باب صرف نمائیم۔ فقط

محمد میاں عفی عنہٗ انصاری ابوایوبی
مقیم جائے مُلّا صاحب بابڑہ (باجوڑ) یاغستان
۱۵/شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (4/اگست 1917ء)

(اُردو ترجمہ)

مکتوب قاضی دیر بنام مولانا فضلِ ربیؔ

فضائل پناہ فواضل رست گاہ جناب مولوی صاحب رحمہٗ ربُّہٗ

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

طرفین کی خیریت نیک مطلوب ہے۔

مخدومی و مکرمی و نعیمی جناب نوابِ (دِیر محمود خان) صاحب یہ خواہش رکھتے ہیں کہ کانوں کی سمجھ رکھنے والا ایک ایسا آدمی چاہیے ہے کہ جو معدنی اشیا؛ ہڑتال، سرمہ، زرنیخ، گوگرد، سرب وغیرہ کو نکالنے والا ہو، آپ کی نہایت مہربانی ہوگی۔ اسی طرح آں مہربان کی کوشش سے نواب صاحب کے لیے توپ، مشین گن پیدا ہوجائے تو نہایت مہربانی ہوگی۔ اسی طرح کارخانۂ سلطانی سے ایک کاردار آدمی خواہ کتنی ہی دولت سے ہو، آں مہربان کی کوشش سے اس دور دراز کے علاقے میں آجانا آپ کی عنایت کے بغیر نہیں ہوگا۔ امید ہے کہ آپ مہربان کی پوری کوشش اور جدوجہد سے نواب صاحب کا کارخانہ لوہا بنانے والوں، ترکھانوں وغیرہ ماہرینِ فنون اور سلطنت کے قواعد سے آباد ہوجائے گا۔

توپ، مشین گن کی جو قیمت خرچ ہو، ادا کردی جائے گی۔ اس نیازمند کو حقیقی تابع دار تصور فرمائیں اور ہمارے لائق کوئی خدمات میں ہو تو اس میں یاد رکھیں اور خوشی سے حکم فرمائیں۔ اس خط کو لے کر آنے والا مُلّا صاحب چوکیاتن جو بیان کرے گا، سچ سمجھیں۔ زیادہ خیریت۔ فقط

مؤرخہ بر ۱۲ شہر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (2/ جولائی 1917ء)

خادمِ شرعِ نبوی قاضی دیر عفا اللہ عنہٗ (مہر)

(نوٹ: اس خط کے آخر میں حضرت مولانا محمد میاں انصاری کی درجِ ذیل تحریر ہے:)

تحریر یہ ہے کہ یاغستان کی ریاست میں آپ جناب والا کے خدام نے کام کا آغاز کردیا ہے۔ اس کا نمونہ یہ خط اور نواب صاحب دِیر اور سوات کا خط ہے۔ نواب دِیر پچاس ہزار افرادی قوت پر مشتمل فوج رکھتا ہے۔ مُلّا صاحب بابڑہ کے ذریعے سے اُس کو انگریز کے خلاف لکھ دیا تھا۔ اس نے زبانی پختہ وعدہ کیا ہے۔ چناں چہ عبدالمتین خان پسر عمرہ خان غازی مرحوم کابل سے فرار ہوکر آیا۔ نواب دِیر نے اُسے جگہ دی ہے۔ باوجود انگریز کی سخت کوشش کے اُس نے انھیں واپس نہیں کیا۔

عمرہ خان مرحوم کی ریاست پر اُس کا بھائی قابض اور انگریزوں کا سخت حامی ہے۔ نواب دِیر نے اُس کے مقابلے کے لیے عبدالمتین کی فوج اور روپے کے ذریعے امداد کی ہے۔ قریب ہے کہ جندول کے ریاست پر عبدالمتین خان کا قبضہ ہوجائے۔ امید ہے کہ آج کل میں قبضہ ہوجائے گا۔ ان شاء تعالیٰ۔

عبدالمتین مُلّا صاحب بابڑہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ وہ کافروں کا سخت دشمن ہے۔ اس قبضے کے بعد یاغستان کے رؤسا جو کہ خان خار، خان جار اور خان نوے کلے ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ کفار کی دوستی سے تائب ہوجائیں گے۔ اس لیے کہ دِیر کی قوت اور جندول کی قوت دونوں اس قدر قوی ہیں کہ باقی خوانین پر ان کی تابع داری لازم ہے۔ علاقہ چارمنگ خورد کے خوانین اور کوکی خیل کا خان پہلے ہی انگریز کا دشمن ہے۔ اُن کی ذاتی قوت کا مجموعہ قریباً ایک ہزار افراد ہیں۔ اُن کے ساتھ چارمنگ کی آزاد اقوام تین ہزار تک پہنچ چکی ہے اور جنھوں نے اُن کے ساتھ جنگ میں شرکت کی ہے۔ ان خوانین میں محمود خان قابل ترین اور دین کا خادم ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ! نواب دِیر، جندول وغیرہ کی بھی عرض داشت میں اپنے ہمراہ لے کر آؤں گا۔ یہ فقط کام کا نمونہ اور اُس کے حالات ہیں۔ دربارِ خلافت سے یہ اُمید ہے کہ وہ اس علاقے کے حقوق سے غافل نہیں رہیں گے۔ اور وسطی ایشیا — جو کہ قوتِ اسلامیہ کو بڑھانے والی اور کفار کے ماتحت ہے — کو زندہ کرنے کے لیے چشم پوشی نہیں کریں گے۔

www.fahimia.org

خلافتِ عالیہ کی بقا اور ترقی اور اسلام کی حفاظت کے لیے بندہ کے خیال میں وسطی ایشیا خاص طور پر ہندوستان کو ازسرِنو زندہ کرنا' افریقا سے کم تر نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم اپنے تمام وسائل اس سلسلے میں خرچ کر دیں۔ فقط

محمد میاں عفی عنہٗ انصاری ابوایوبی

مقیم جائے مُلّا صاحب بابڑہ (باجوڑ) یاغستان

۱۵/شوال المکرّم ۱۳۳۵ھ (4/اگست 1917ء)

حوالہ جات وحواشی

1۔ حضرت مولانا محمد میاں انصاریؒ کی ہندوستان پہنچنے کی یہ تاریخ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے تحریر کردہ ''سفر نامہ اسیرِ مالٹا'' سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مطابق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ۶/محرم ۱۳۳۴ھ/ 14/نومبر 1915ء کی صبح نو دس بجے مدینہ منورہ پہنچے۔ مولانا محمد میاںؒ ان کے ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ میں کچھ دن قیام کے بعد غالباً آخر نومبر 1916ء کو مدینہ منورہ سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں: ''بالآخر ۶/محرم بروز دوشنبہ صبح کو قریب نو یا دس بجے مولانا (شیخ الہندؒ) بئر عروہ (مدینہ منورہ) پر پہنچے۔ ... بالآخر مولانا (محمود حسن) کے رُفقا کے سفر کا وقت آ گیا۔ ... چناں چہ جملہ رُفقا بجز (سوائے) مولانا عزیر گل صاحب، مولوی ہادی حسن صاحب و وحید احمد سب (ہندوستان) روانہ ہوگئے۔ جن میں مولانا مرتضٰی حسن صاحب، مولوی محمد میاں صاحب، حاجی عبدالکریم صاحب، حاجی محبوب خان صاحب، مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے۔'' (سفر نامہ اسیر مالٹا، ص29، طبع مکی دارالکتب، لاہور) اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ سے مالٹا کی جیل میں انگریز افسر کی طرف سے مولانا محمد میاںؒ کے بارے میں سوال ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ جواب میں فرماتے ہیں: ''مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں۔ وہ میرا رفیقِ سفر تھا۔ مدینہ منورہ سے مجھ سے جدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا۔'' (ایضاً، ص79) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد میاںؒ آخر نومبر 1916ء میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ پندرہ دن مدینہ سے مکہ کے سفر کے لگائیں اور ایک ماہ مکہ اور جدہ میں قیام کے بعد ہندستان کا سفر ہوا۔ اس طرح وہ جنوری 1917ء میں جدہ سے روانہ ہو کر فروری 1917ء کو ہندوستان تشریف لائے۔

2۔ انور پاشا: 1882ء کو استنبول ترکی میں پیدا ہوئے اور 1922ء میں سمرقند میں شہید ہوئے۔ جنگِ عظیم اوّل میں ترکی فوج کے وزیرِ جنگ تھے۔ ترکی کے ایک بڑے رہنما اور لیڈر تھے۔ (المنجد فی الاعلام)

3۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس حوالے سے ''کابل میں سات سال'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جب یہ دونوں حضرات (شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی قصوری) یاغستان جا رہے تھے تو ان کے ساتھ ایک ہندوستانی مشن بھی بھیجا گیا۔ ہم جب کابل پہنچے تو ہم نے اپنے دو ساتھی واپس بھیجے تھے۔ ان کے پاس بعض کاغذات اور پیام تھے۔ انھوں نے احتیاط اور آہستگی سے کام کیا۔ اب راجہ مہندر پرتاپ چاہتے تھے کہ ان کی اطلاع ان کے بھائیوں کو ملے اور وہاں سے خیریت کی خبر آئے۔ اس کے لیے ہم نے اپنے بھتیجے محمد علی (برادر مولانا احمد علی لاہوی) کو مامور کیا۔ وہ شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ یاغستان گیا۔ اور وہاں منزلِ مقصود پر پہنچ کر خط پہنچا دیا۔ اور جواب لے کر دو مہینے میں بہ خیریت پہنچ گیا، مگر راجہ صاحب اس سے بہت مسرور اور ممنون ہوئے۔''

(کابل میں سات سال از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مرتب: محمد سرور، ص87، طبع سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، 1982ء)

4۔ القرآن 193:3

5۔ القرآن 286:2

شخصیات

ایک متوازن اور معتدل راہ

(ایمان کی آغوش تک پہنچنے کی سرگزشت)

تحریر: اقبال النساء (اہلیہ حضرت مولانا عزیر گلؒ، اسیرِ مالٹا)
ترجمہ: حافظ محمد طاہر، لاہور

(مقالہ نگار ایک انگریز خاتون ہیں، بیٹرِیس (Beatrice) نامی یہ خاتون برطانوی رائل فیملی سے تعلق رکھتی تھیں۔ قبولِ اسلام کے بعد انھوں نے خود ''اقبال النساء'' کا نام اختیار کیا۔ انھوں نے ایک طویل علمی اور ذہنی سفر طے کر کے ایمان قبول کیا اور مسلمان ہوئیں۔ انھوں نے اسلام تک پہنچنے کے لیے بڑے ارتقائی مراحل طے کیے۔ یہ خاتون انتہائی ذہین اور فطین تھیں۔ یہ اپنے والدین اور ماحول کے مطابق پہلے عیسائی مذہب سے وابستہ ہوئیں۔ بائبل کا مطالعہ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ مروّجہ عیسائی مذہب کے تضادات پر اُن کے ذہن میں عقلی سوالات پیدا ہوئے۔ بالخصوص انسانی اُلوہیت کے تصور اور تثلیث کے عقیدے نے انھیں مایوس کیا۔ اس پر انھوں نے مغربی فلاسفروں کو پڑھا۔ اس طرح ان کی بے چین روح اپنے قلبی تسکین کے لیے مختلف فلسفوں اور مذاہب کا مطالعہ کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ ہندو مذہب کی ویدانت فلاسفی سے متعارف ہوئی۔ چناں چہ اس کے جوگیانہ اور متصوفانہ طور طریقوں سے روحانی تسکین کے لیے ہندو مذہب اختیار کر کے تیاگن بنیں۔ اور ایک عرصے تک ہندو مذہب کے جوگیوں سے تعلیم و تربیت اور گیان و دھیان میں مصروف رہنے کے باوجود روحانی اور عقلی حوالے سے مطمئن نہ ہوسکیں۔ ہندو مذہب کے تضادات نے بھی انھیں پریشان کر کے رکھ دیا۔

1942ء میں جاری ''تحریکِ سول نافرمانی'' کے زمانے میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ایک مسلمان نوجوان کی مدد کے لیے تیار ہوئیں۔ اسلامی طریقے پر اس کی مدد کرنے کے لیے انھوں نے قرآن حکیم کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ شروع کیا۔ جیسے جیسے قرآن پڑھتی گئیں، ان کی بے چین روح کو قرار آنا شروع ہوا۔ ہندوؤں کے مذہبی مقام ''المورا'' کے آشرم میں خدمت کی وَجہ سے ''ماں جی'' کہلانے والی کے لیے یہ بڑا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کرے، لیکن تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود انھوں نے بڑے عزم و ہمت کے ساتھ دینِ اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ ایک عرصے تک ہندو مذہب اختیار کرنے اور عیسائی انگریز پس منظر رکھنے کی وَجہ سے عام مسلمانوں نے انھیں مشکوک نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنی اسلام کے ساتھ وابستگی اور قبولیتِ اسلام کی حقانیت معلوم کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند آئیں۔ وہاں ان کی ملاقات شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے ہوتی ہے۔ ان سے سوال و جواب کی مجلس ہوئی۔ حضرت مدنیؒ نے انھیں نہ صرف سچا اور پکا مسلمان قرار دیا، بلکہ اپنی روحانی توجہات سے انھیں پُرعزم مسلمان بنانے میں کردار ادا کیا۔

چوں کہ اُن کا قیام رُڑکی شہر کے قریب قصبہ منگلور میں تھا اور رُڑکی میں حضرت مولانا سیّد عزیر گل کا کا خیلؒ صدر مدرّس کے طور پر کام کر رہے تھے، اس لیے حضرت مدنیؒ نے ان کا تعارف مولانا عزیر گلؒ سے کرایا۔ اس طرح ان دونوں حضراتؒ

نے کئی نشستوں میں ان کے ذہنی اور عقلی سوالات کے اطمینان بخش جوابات دیے اور انھیں علمی، عقلی اور روحانی طور پر اعتماد بخشا اور سچائی کی تلاش کے سفر میں اسلام کا ایک صحیح اور معتدل راستہ سمجھایا۔ جیسے ہی اس پُرعزم خاتون نے دل و جان سے اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کیا تو انگلستان تک میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ ان کے خاوند کی طرف سے مالی مشکلات کھڑی کی گئیں۔ ان کے اثاثہ جات بحق سرکار ضبط کر لیے گئے۔ ان کے خاوند نے علاحدگی اختیار کر لی اور انھیں مختلف طریقوں سے پریشان کرنا شروع کیا۔ ایسے موقع پر انھیں اپنی حفاظت اور بقیہ زندگی کو اسلام کے مطابق گزارنے کے لیے ایک معاون اور ساتھی کی ضرورت تھی۔ اس موقع پر مولانا عزیر گلؒ نے انھیں تحفظ فراہم کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا۔

حضرت مولانا سیّد عزیر گلؒ تحریکِ ریشمی رومال کی ایک عظیم شخصیت رہی ہیں۔ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے تلمیذِ رشید اور اُن کے خادمِ خاص تھے۔ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت کے لیے ہی اُن کے سفرِ حجاز میں ساتھ رہے۔ چناں چہ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ہی نومبر 1916ء میں مکہ مکرمہ سے گرفتار ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ جزیرۂ مالٹا میں قید کیے گئے۔ مالٹا میں تقریباً تین برس کی قید کے بعد جون 1920ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ہی رہا ہوئے۔ مالٹا میں قید کے دوران مولانا عزیر گلؒ کی پہلی اہلیۂ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ مالٹا سے رہائی کے بعد مولانا عزیر گلؒ نے دیوبند میں مستقل قیام کیا۔ وہاں انھوں نے خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر کے طور پر تحریکِ خلافت میں کام کیا۔ آپؒ کا دوسرا نکاح دیوبند کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخ الہندؒ کی بھانجی کی بیٹی سے ہوا، جن سے آپؒ کے دو صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہوئیں۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ کو مدرسہ رحمانیہ رُڑکی ضلع سہارن پور میں صدر مدرّس مقرر کیا گیا، جہاں آپؒ مارچ 1945ء تک تقریباً بیس سال درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ رُڑکی کے قیام کے زمانے میں آپؒ کی دوسری اہلیۂ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا، اس لیے رُڑکی کے زمانۂ قیام میں ہی حضرت مولاناؒ کی شادی مقالہ نگار خاتون سے ہوئی۔

فاضل مقالہ نگار نے یہ تحریر انگریزی زبان میں "THE BALANCED WAY" کے عنوان سے لکھی تھی، جس میں انھوں نے ایمان کی آغوش تک پہنچنے اور سچائی کی تلاش کے ایمانی سفر پر مبنی اپنی سرگزشت بیان کی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام کے معتدل اور متوازن راستے کو واضح کرتے ہوئے دین کے اعلیٰ اَخلاق اور اعمال کی عملی خوبیاں بیان کیں۔ انھوں نے غالبًا ولی اللّٰہی سلسلے کے علما محققین کے افکار و خیالات سے استفادہ کیا ہے۔ دین کے اَخلاق و اعمال کے اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے ولی اللّٰہی سلسلے کے بزرگوں کا سا انداز و اسلوب اختیار کیا ہے۔ یقیناً اس سلسلے میں انھیں اپنے شوہر حضرت مولانا عزیر گلؒ اور شیخ و مربی حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے افکار و خیالات اور روحانی توجہات سے بھی مدد ملی ہے۔ اس لیے انھوں نے دینی افکار و اعمال کو اجتماعی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

یہ مقالہ ہمیں مولانا عزیر گلؒ کے خاندان کے لوگوں کے توسط سے دستیاب ہوا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ انگریزی زبان کے سابق استاذ جناب حافظ محمد طاہر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ مقالہ فلسفیانہ انداز میں بہت عمدہ ادبی انگریزی میں قلم بند ہوا ہے، جس میں دیگر مذاہب کے تحلیل و تجزیے کے دوران بہت سی فلسفیانہ اصطلاحات اور مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ پہلی مرتبہ ہم اس مقالے کا اُردو ترجمہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ مقالے میں عنوانات لگا دیے گئے ہیں، تاکہ اس کی مشکل اور فلسفیانہ گفتگو کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ مقالہ نگار خاتون نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی لکھا تھا، لیکن افسوس کہ وہ اب تک شائع نہیں ہو سکا۔ فاضل مقالہ نگار خاتون کا انتقال 1975ء میں گاؤں سخاکوٹ ضلع مردان میں ہوا اور وہیں اپنے شوہرؒ کے پہلو میں سپردِ خاک ہیں۔ مدیرِ اعلیٰ)

(خودنوشت حالاتِ زندگی)

(میرا خاندان اور میری سندھ میں ولادت)

یہ 1889ء کی بات ہے کہ (میرے والد) چارلس ایڈورڈ سٹیفورڈ (Charles Edward Stafford) کلکٹر حیدرآباد سندھ وممبر سابق سندھ کمیشن کے یہاں ساتواں بچہ پیدا ہوا۔ اس پر انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں روئی اور چلائی۔ اس طرح میں نے خوب روتے اور چلاتے ہوئے اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ میرے والد اپنے عہد کے معزز ترین اور انتہائی ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ اپنے خاندان میں وہ پہلے فرد تھے، جو ہندوستان آئے۔ انھیں ہندوستان سے پیار تھا۔ مجھے اب تک خوب یاد ہے کہ وہ کس فخر و انبساط سے خود کو ایک 'سندھی' رنگ ڈھنگ میں ڈھالتے تھے۔ وہ یہاں کے لوگوں کا احترام کرتے تھے اور میرے تصور میں ان کی شخصیت کا یہ پہلو روشن ہے کہ سندھ میں آج بھی انھیں صاحبِ مرتبہ و عادل مزاج کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

میرے والد کا تعلق ایک تاریخی انگریز خانوادے سے تھا۔ وہ ایڈورڈ سوئم (Edward III)[1] اور قسطیلیہ (Castille) کے ایلینور (Eleanor)[2] کے سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ یورپین تاریخ کے دیگر بلند مرتبہ مشاہیر؛ مثلاً روس کے ولادی میر اعظم (Vladimir of Russia)[3]، کنگ آف فرانس (King Louis of France)[4]، سرتھامس مُور (Sir Thomas More)[5] جیسے مشہور صاحبِ کردار لوگ ان کے آباؤ اجداد میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے بچپن میں ہم اپنے اونچے خاندان پر فخر و غرور کا اظہار کرتے تو ہمارے والد خبردار کرتے کہ:

''شرافتِ نسبت (خون کی پاکیزگی) تو کردار کی دیانت و پختگی سے ظاہر ہوتی ہے۔''

(تعلیم کے لیے انگلستان روانگی)

پانچ اور سات سال کی عمر کے دوران ہم بچوں کو تعلیم کے لیے انگلستان بھجوا دیا گیا۔ (تعلیم کے دوران) بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ میرے دل میں سچائی کی محبت اور چیزوں کی تہہ میں چھپی وجوہات کو جاننے کا جذبہ فروغ پاتا گیا۔ میرے تمام کھلونے اس وَجہ سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتے تھے کہ میں (انھیں کھول کر) یہ جاننے کی کوشش کرتی تھی کہ یہ کیسے کام کرتے ہیں؟ میرا نام 'رِکیکُو'[6] پڑ گیا، کیوں کہ میں ہمیشہ بہت زیادہ سوال پوچھتی رہتی تھی۔

(مسیحی فرقوں سے واسطہ اور بائبل پر شکوک وشبہات)

بڑی ہوئی تو میرا واسطہ مسیحی فرقوں سے پڑا، لیکن میں سب سے زیادہ اس بات سے محظوظ ہوتی کہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے فرقے کے ماننے والوں کو ابدی طور پر جہنم کی آگ کا سزاوار قرار دیتا تھا۔ چودہ برس کی عمر تک میں نے خود اپنا ایک عیسائی مکتبِ فکر بنا لیا تھا، جس نے میری والدہ کو بہت متفکر کر دیا، اس لیے کہ وہ آرتھوڈوکس چرچ[7] کی پیروکار تھیں۔ سترہ سال کی عمر

میں مجھے مسیحی سائنس سے آگاہی دلوائی گئی، جس میں مَیں نے محسوس کیا کہ میرے اپنے خیالات معقول حد تک ترقی یافتہ تھے۔ میں نے عرصۂ دراز سے مسیح (علیہ السلام) کی اُلوہیت کو مشکوک قرار دے دیا تھا۔ اور مقدس بھوت کا تصور مجھے خوف ناک حد تک پریشان کرتا تھا۔ (مسیحی) عبادت پر مجھے گہرا یقین تھا اور اپنی لڑکپن کی کئی راتیں میں نے نجی طور پر اس عبادت میں گزاریں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک صبح خوب زلزلہ آیا۔ اُس وقت ہم سب لوگ اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ لوگ باہر شور وغوغا کر رہے تھے۔ ''یہ خدا کے ساتھ کیسی گستاخی ہے!'' یہ میرا بے ساختہ جبلی ردِعمل تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ اپنی دعائیں مانگتی رہی۔ بعد ازاں جب شور تھما تو میری والدہ نے آ کر مجھے سخت سست کہا اور میرے اس جواب پر کہ میری سمجھ کے مطابق ان لوگوں کا شور مچانا گستاخانہ عمل تھا، انھوں نے کہا کہ تم بالکل پاگل ہو۔

جیسے جیسے میں اوائل جوانی کی عمر میں داخل ہو رہی تھی، میرے مطالعے میں وسعت آ رہی تھی اور میں بائبل کا گہرا مطالعہ کرنے لگی۔ مجھے اس میں تضادات ملنے لگے۔ مسیحی سائنس کی بنیاد بائبل پر ہے۔ اس لیے میرے ذہن میں شکوک وشبہات سر اُٹھانے لگے۔ اگرچہ میری شادی ہوگئی تھی، لیکن اپنی تنہائیوں کے لیے مجھے اپنا کوئی ذہنی ہم سفر میسر نہ آیا۔ میں مطالعہ کرتی چلی گئی اور ذہنی تسکین کی خاطر سپنسر (Spencer)[8]، ہکسلے (Huxley)[9]، پاسکل (Pascal)[10] اور سپنوزا (Spinoza)[11] (ایسے یورپین فلاسفروں) کی طرف متوجہ ہوگئی۔

(ہندوستانی ویدانت فلاسفی کی دریافت)

پھر ایک روز اچانک حادثاتی طور پر میں نے ہندوستان کو دریافت کرلیا۔ جی ہاں! میں پہلے ہی سے انڈیا میں رہتی رہی تھی، لیکن اب میں نے صحیح معنوں میں ہندوستان میں جینا شروع کر دیا۔ میں نے یہاں کی قدیم فلاسفی (ویدانت) کو پڑھا تو اس کے سحر نے مجھے اسیر کرلیا۔ ویدانت کے مطالعے سے تو مجھے یوں لگا کہ گویا میری تمام تر سوچوں کا جواب مل گیا۔ میرا بارہ سالہ بیٹا اپنی تعلیم کے سلسلے میں انگلینڈ گیا ہوا تھا۔ میں نے اُسے بلا بھیجا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دس سالہ بیٹی کو لے کر میں نے اس نو دریافت شدہ (علم وفکر کے) خزانے کو مل جل کر سمجھنا شروع کر دیا۔ ہم سب اکٹھے بطور مہمان ایک ہندو آشرم میں جانے لگے۔ وہاں میرے بیٹے نے ہندوؤں کو مکا بازی سکھائی۔ اس دوران میں زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ ویدانت کو پڑھنے لگی اور اس راہ کی باقاعدہ تیاگن بن گئی۔ گیان دھیان مجھے فطری طور پر فائدہ دینے لگا۔ میں یوگا کے تجربات سے گزری اور ایسا لگا کہ میں اس سفر میں بہت آگے بڑھنے لگی ہوں۔ آہ! میرا (نسلی وخاندانی) فخر وغرور! جو کہ محاوراتی انداز میں کلی طور پر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔

(ہندو مذہب پر شکوک وشبہات)

میرے ہندو گرو نے مجھے ترغیب دی کہ میں رام کرشن جی کو اپنا 'شری گرو' مان لوں۔ کیوں کہ اب آگے کسی بھی پہلو سے ترقی ممکن نہ ہوگی، جب تک کہ ایسا نہ کرلیا جائے۔ مجھے بتایا گیا کہ عہدِ حاضر میں وہی تنہا مقدس راستے کے رہنما ہیں۔ جب ہم مر جائیں گے تو ہمیں انھی کی سورگ (جنت) میں لے جایا جائے گا، بلکہ ہمیں اس سے بھی آگے بے چگوں (غیر مرئی) مقامات پر جانا ہوگا، جس کو زبان کی اضافتوں اور نسبتوں کے تناظر میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

مجھے تعجب ہوا کہ رام کرشن جی جو کہ کامل و اکمل ہیں، آخر کیوں اس سفر کے درمیان ہی میں رہ گئے۔ اب وہ ہماری منزل تک رسائی میں مداخلت کیوں کرنے لگے؟ میرا ذہن ڈگمگانے لگا۔ مجھے کسی ایسی ذات یا چیز کو قبول کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے، جو میری ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ڈالتی ہے۔ مجھے تو اسے اٹھا کر پھینک دینا چاہیے۔ میری تلاش تو سچائی کے لیے تھی۔ جی ہاں! سچائی اپنی خالص شکل میں!

اگلے کچھ سالوں میں پے در پے میرے آپریشن ہوتے رہے۔ فرانس میں میرے ساتویں آپریشن کے بعد مجھے اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ موت یقینی ہے۔ مجھے خواہش ہوئی کہ خود کو اس کے لیے زیادہ بھرپور طور پر تیار کرلوں۔ میں نے چاہا کہ پردے میں چلی جاؤں اور موت کی رسومات کو زندگی میں ادا کرنے کا تجربہ کروں۔ دنیا کو تج دوں۔ موت کے آنے کا انتظار نہ کرتی رہوں، بلکہ (آنے والی) ایک عظیم تر زندگی کے لیے موت کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاؤں۔

(ہندو فرقوں کی کتابوں میں تضادات)

میں انڈیا لوٹ آئی۔ یہ سفر اس حال میں کیا کہ مجھے یقین نہ تھا کہ بھارت کے ساحلوں تک پہنچ بھی پاؤں گی، کیوں کہ ابھی میں بہت بیمار تھی، لیکن میں بہ حفاظت پہنچ گئی۔ یہاں پر سادھوؤں نے میرا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ مجھے اَور زیادہ جوش وخروش کے ساتھ سنیاس شروع کروا دیا گیا۔ میں مطالعہ کرتی اور گیان دھیان میں لگ جاتی۔ 108 اُپنِشَد اور وہ تمام کتابیں جو میرے ہاتھ لگیں، میں نے پڑھ ڈالیں۔ مختلف فرقوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک بار پھر مجھے تضادات نظر آنے لگے۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اگر یہ سب الہامی صحیفے ہیں تو ان میں تضادات کیوں ہیں؟ کوئی کیوں کر جانے کہ کون سا نسخہ (Version) درست ہے؟

ابھی تک میں یہ سمجھ رہی تھی کہ اعلیٰ ترین سچائی سادہ ہے۔ مجھے کمال اور نِروان کے حصول کے لیے زیادہ مراقبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان مراقبات کے دوران میرا یہ تجربہ اُلجھاؤ کا شکار ہوگیا۔ لگتا تھا کہ کوئی طاقت ہے، جو مجھے اپنی گرفت میں لے رہی ہے، مجھے جھنجھوڑ رہی ہے، یہاں تک کہ میرے سارے اعصاب شَل ہو جاتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ عنقریب میں اپنے حواس اور ذہنی توازن کھو بیٹھوں گی۔

مجھے سنیاس دلوانے کے کچھ ہی عرصے بعد میرا ہندو گرو فوت ہوگیا تھا۔ اب میں جن سے بھی رہنمائی لیتی تھی، وہ میری روحانی ترقی کی رفتار سے مطمئن ہو جاتے تھے، لیکن میں اپنے پاگل پن سے خوف زدہ تھی۔ میں اپنے ساتھ اتنی سچی تو ہو چکی تھی کہ خود کو بے وقوف نہیں بنا سکتی تھی۔ میں جان گئی تھی کہ میں روحانی نہیں، بلکہ نفسیاتی ہوگئی تھی۔ اس احساس نے مجھے اپنی روحانی ترقی کے فخر سے محروم کر ڈالا۔

(سول نافرمانی کی تحریک کے دوران خدمتِ انسانیت)

پھر اچانک (1942ء میں) انڈیا سول نافرمانی کی زد میں آ گیا۔ میں نے سنا کہ: ''ہندوستان کے نہتے بے بس عوام پر اُن کے اپنے ہم وطن بھائی غیر ملکی حکام سے تنخواہ لے کر حملے بھی کر رہے تھے اور انھیں زخمی بھی کر رہے تھے۔'' خود 'المورا' (Almora)[12] (کوہِ ہمالیہ پر واقع ایک پُر فضا شہر) بھی اس طوفان کی زد میں آ گیا۔ خوف زدہ ہو کر میں اپنی گُپھا سے نکل بھاگی اور گرو

www.rahimia.org

بھائیوں کو اُن کی انسانی ذمہ داری کا احساس دلانے کی کوشش کرنے لگی، لیکن ان کا کہنا تھا کہ ان کی زندگیاں خدا کے لیے وقف ہیں، نہ کہ سیاست کے لیے۔ میری ساری دلیلیں رائیگاں ہی گئیں۔ یہ تو انسانیت کے دکھوں اور بے چارگی کا معاملہ تھا، لیکن انھوں نے ادھر متوجہ ہونے سے یکسر انکار کر دیا۔

زخمیوں کی خدمت کے لیے میں تنہا جانے لگی۔ میرے پاس اپنی کمزور صحت اور بیماری کے (علاج معالجے کے) پیش نظر کچھ پس انداز کردہ رقم رکھی تھی۔ یہ میں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے خرچ کر ڈالی۔ بعد ازاں یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اب مزید خود غرضانہ جوگ لینا میرے بس میں نہیں، میں نے ایک آشرم قائم کر لیا، جہاں لڑکوں کو نظم و ضبط اور دلیری کی تربیت دینے لگی۔

میں نے اپنی تمام جمع پونجی خرچ کر ڈالی۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں اپنے آشرم میں رہنے والے درجن بھر انسانوں کو ذہانت اور حوصلے کے ساتھ زندگی کا سامنا کرنے کی تربیت کے حوالے سے مدد دینے میں کامیاب رہی۔ بہت سوں نے بالآخر اس بات کا اعتراف بھی کیا اور شکر گزار بھی ہوئے کہ انھیں اس تربیت سے بہت مدد ملی۔

(اس تحریک کے دوران قرآن پاک سے میرا تعارف)

انھی دنوں میرا رابطہ کچھ مسلمانوں سے ہوا، جو میرے آشرم آتے تھے۔ وہ اکثر ہماری سرگرمیوں میں ہمارا ساتھ دیتے تھے اور میں اپنے طور پر خوش تھی کہ شاید مَیں —— اپنے معمولی سے انداز میں ہی سہی —— ہندو مسلم اتحاد میں حصہ ڈال رہی تھی۔ مجھے کہا گیا کہ ایک ایسے مسلمان لڑکے کی خصوصی دیکھ بھال کروں، جو اپنے خاندان کے لیے دردِ سر بن چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کہ میں اس کے مذہب کی اقدار اور روایات کا مطالعہ نہ کر لوں۔ میں نے ان سے ان کی (مذہبی) کتاب مانگی اس یقین کے ساتھ کہ ہر فرد کو اپنے (مذہبی و تمدنی) خطوط پر ہی نشو و نما پانا چاہیے۔ راستے گو کہ بہت سے ہیں، لیکن منزل سب کی ایک ہی ہے۔

چند ہفتے گزرے تو قرآن پاک کے ترجمے کی ایک جِلد مجھے دے دی گئی۔ اب تک تو میں محمڈن لوگوں —— اس دور میں مَیں نے انھیں یہی نام دے رکھا تھا —— سے قدرے خوف زدہ ہی رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ وہ لوگ ڈاکوؤں کی کوئی جنس ہیں، وہ کوئی بھی ایسا گناہ کر گزرتے ہیں، جس کے عوض انھیں کافی ساری ادائیگی کر دی جائے۔

(قرآن حکیم - سچائی کی خالص شکل)

مَیں یہ کتاب (قرآن حکیم) مطالعے کے لیے گھر لے گئی۔ جب میں اسے پڑھنے بیٹھی تو سراپا حیرت بنی، آگے سے آگے ہی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تو سچائی اپنی خالص شکل میں موجود تھی۔ یہاں تو ویدانت اپنی عملی صورت میں موجود تھی۔ ایک ایک صفحہ گویا مجھے ہضم ہوتا گیا اور میرے دل میں اُترتا چلا گیا۔ کوئی سوال ہی جنم نہیں لے رہا تھا۔ یہی تو عملی راہ اور پیار کیے جانے کے قابل راستہ تھا۔ لیکن یا خدا! اب میں کہاں آ کھڑی ہوئی تھی!

(اب تک کے سفر پر گہری ذہنی کش مکش)

میں ایک گہری ذہنی کش مکش سے دو چار ہو گئی تھی۔ ''کیا میں اس قابل ہوں گی کہ جب میرا مذاق اُڑایا جائے گا اور مجھ پر

بداعتمادی کی جائے گی، تب میں ان حالات کا سامنا کرسکوں گی! اگر یہ عملی ویدانت ہی ہے تو پھر مجھے تبدیلی کی کیا ضرورت ہے؟ میں دور بیٹھ کر اس راستے پر چل سکتی تھی۔ میں اپنی وہی تنہائی کی خاموش زندگی اس کتاب قرآن مجید پر بطور متن ایمان رکھ کر جی سکتی تھی! اس کی سچائی میں مجھے کوئی شک نہیں تھا، لیکن میری اپنی پہلے تلاش کی گئی سچائی کا کیا ہوگا؟ کیا میں اپنی پہلی سوچ میں 'حق' پر تھی؟'' مجھے خود کو اس کا جواب دینا پڑا تو وہ نفی میں تھا۔ میں دوبارہ خود اپنے آپ سے بحث کرنے لگی۔

میں نے 'ترکِ دنیا' کی راہ اپنائی ہوئی تھی۔ (اب تک تو) میں محض ایک لاشہ تھی، لیکن یہ قرآن مجید کی راہ تو جان دار اور زندگی سے بھرپور کردار کی متقاضی تھی۔ کیا مجھے دوبارہ (حقیقی) زندگی کی طرف لوٹنا ہوگا؟ کیا مجھے (عیسائیت کے محاورے کے مطابق) نئے سِرے سے جنم لینا ہوگا؟ میں خود کو بالکل ہونق اور بے وقوف لگنے لگی۔ حالانکہ اب تک مَیں ایک مستحکم حیثیت کی مالک شخصیت بن چکی تھی۔ لوگ میرے ساتھ ایک مقدس خاتون کے طور پر مذہبی احترام اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مجھے یہ خیال ستاتا کہ کیا یہ سب کچھ جاتا رہے گا؟ کیا مجھے تضحیک اور بداعتمادی کو سہنا ہوگا؟ (پھر یہ سوچتی تھی کہ) کیا میری زندگی کا مقصد 'سچائی' کو پانا نہیں تھا؟

(اسلام قبول کرنے کا اعلان)

میں نے سچائی کا سامنا کیا اور چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرڈالا۔ اس پر تو ہر کوئی ڈرسا گیا۔ میرے پُرانے دوست بہت دُکھی ہوئے اور صدمے سے بھونچکے رہ گئے۔ مجھے اپنے اس غیرمعمولی اقدام کا پورا حساب دینا پڑ گیا۔ میں نے دلائل کے ساتھ اپنے گُرو بھائیوں کو کم از کم اپنے خلوص کا قائل تو کر ہی لیا، لیکن دلائل انھوں نے بھی دیے کہ اگر یہ ویدانت ہی ہے تو پھر کیوں نہ وہیں رہو جہاں ہو؟ انھوں نے میری ہی دلیلیں مجھ پر دہرائیں۔

کلکتہ میں مجھے (شری گروجی کے سامنے) اپنی پوزیشن واضح کرنا پڑی۔ نتیجتاً قرآن پاک کو 'بلور میتو لائبریری' (Belur Matu Liberary)[13] میں رکھ دیا گیا۔ وہ میرے اخلاص سے مطمئن ہوگئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ شری گروجی خود بھی اسلامی طریق کے مطابق حق آگاہ اور معرفت ہی کی منزل حاصل کیے ہوئے تھے۔ اس لیے انھوں نے یہ جان لیا کہ میں تصوف کے سلسلے کی ایک دوسری شاخ سے تعلق اختیار کرچکی ہوں۔

مجھے کہا گیا کہ اس موضوع پر ایک آرٹیکل لکھوں جو کہ 'المورا' (Almora) میں سالانہ لیکچر میں پیش کیا جائے گا۔ میں نے تمام تر خلوص کے ساتھ آغاز تو کیا، لیکن افسوس کہ اختتامیہ میں یہی ثابت ہوا کہ رام کرشن جی نے کبھی اسلام پر عمل نہیں کیا، بلکہ وہ کسی جاہل صوفی کے بتائے ہوئے ضعیف الاعتقادی پرمبنی راستے پر چلتے رہے تھے۔ قدرتی بات تھی کہ سادھوؤں کو میرا آرٹیکل پسند نہیں آنا تھا، سو نہیں آیا، بلکہ وہ مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پھر بھی میرے ہندو دوست بطور 'ماں جی' میرے ساتھ وفادار رہے کہ وہ مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔

مجھے ایک مندر میں 'مہنت' کے عہدے کی پیش کش بھی کی گئی، جو کہ تمام مذاہب کی آماج گاہ تھا، بشرطیکہ میں خود کو محمڈن یعنی مسلمان نہیں، بلکہ ایک صوفی قرار دے لوں۔

www.ranimia.org

(قرآن حکیم کی راہِ عمل پر پختہ یقین)

میں نے واضح کیا کہ محمڈن کوئی چیز نہیں، بلکہ میں تو دراصل ذاتی طور پر باقاعدہ مسلمان ہوں۔ مجھے صرف اور صرف اسی نام سے پکارا جائے گا۔ اس پر انھیں مایوسی کی ٹھنڈی سانسیں لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اب ایک بوچھاڑ دوسری طرف سے آئی۔ مسلمانوں نے مجھے بطور 'مسلمان' اپنانے سے انکار کردیا۔ اور انھوں نے کہا کہ:
''یہ تو عیسائی ہے اور محض بھیس بدل رہی ہے۔'' یا یہ کہ ''یہ تو ہمیں ہندو بنانے کا منصوبہ لے کر آئی ہے۔''

میں تنہا کھڑی تھی، لیکن مجھے اس چیز میں دلچسپی ہونے لگی کہ خود کو پہچانوں کہ دراصل میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ یہ تو مجھے پختہ یقین تھا کہ قرآن میری کتاب ہے۔ قرآن مجید پر تو میں پختہ ایمان لا چکی تھی۔ اور اس کتاب میں دیا گیا راستہ اپنی زندگی کی راہِ عمل کے طور پر اختیار کرلیا تھا۔ کوئی مجھے کس نام سے پکارتا ہے؟ یہ میرے لیے زیادہ پریشان کن نہ تھا۔ پھر بھی مجھے یہ جاننے میں دلچسپی تھی کہ درحقیقت میں کہاں کھڑی تھی۔

(دیوبند آمد اور مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات)

میں نے دیوبند یونیورسٹی کے بارے میں سنا تو میں اور میری بیٹی بغیر اعلان کیے ایک روز اچانک وہاں چلے گئے۔ وہاں عجیب وغریب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ دو اجنبی عورتیں، پردے سے یکسر بے پروا، یہ جاننا چاہتی تھیں کہ آیا وہ مسلمان ہیں؟ دیوبند کو اس سے قبل کبھی ایسی صورتِ حال سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔

آخر کار ہمیں مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ سے ملاقات کی اجازت مل گئی اور وہ بھی بھرے مجمع میں۔ مَیں نے اپنی دلیلیں دیں۔ سارا ہال عجیب وغریب اور متجسس چہروں سے بھرا ہوا تھا۔ اردگرد کے ماحول کی وَجہ سے میں سخت غصے اور گھبراہٹ میں تھی۔ میری بیٹی اَور بھی زیادہ۔ میں نے تجویز کیا کہ مجمع سے ہٹ کر تنہا (مولانا) حسین احمد (مدنیؒ) سے بات کرسکوں، لیکن وہاں تو کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ ہم نے اپنے دلائل دینے شروع کیے۔ حسین احمد کے لہجے میں نرمی نہ تھی۔ تب میں نے جھلّا کر انھیں سختی سے کہا کہ: ''آپ میرے ساتھ یوں بلی کا چوہے کے ساتھ کھیلا جانے والا کھیل نہیں کھیل سکتے۔'' بس پھر کیا تھا، انھوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور مجھے مسلمان مان لیا۔ چنانچہ میں واقعی مسلمان ہوچکی تھی۔!

(مولانا) حسین احمد (مدنیؒ) اس روز ایک خوش مزاج میزبان ثابت ہوئے۔ جب ہم وہاں سے رُخصت ہوئے تو میں اور میری بیٹی مطمئن تھے کہ ہم 'ایک خدا رسیدہ بندے' سے مل کر آئے تھے اور یوں ہمیں بہت زیادہ عزت افزائی کا احساس ہو رہا تھا۔

(مولانا مدنی کی میرے گھر آمد اور مولانا عزیرگل سے تعارف)

بعدازاں وہ ہمیں ملنے کے لیے (رُڑکی شہر کے قریب واقع گاؤں) منگلور (ضلع ہردوار) کے ہمارے گاؤں والے گھر بھی تشریف لائے۔ اپنے ہمراہ وہ ایک دینی بھائی کو لائے تھے، جس کا تعارف انھوں نے 'مولوی عزیرگلؒ' کے نام سے کروایا تھا۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے پورا دن ہمارے ساتھ گزارا۔ (مولانا) حسین احمد (مدنیؒ) نے مجھ سے مراقبات کے سلوک کی بابت بھی پوچھا، جو کہ انھوں نے میرے لیے تجویز کیے تھے۔ وہ ایک خوشی والا دن تھا۔ اور ہم دونوں ماں بیٹی اندر ہی

www.rahimia.org

اندر یہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ان دونوں کا باہم کتنا خوش گوار تعلق ہے۔ وہ دونوں بالکل ایسے خوش مزاج بچوں کی طرح لگ رہے تھے جو کہ باہم چہلیں کرتے، ایک دوسرے کو چھیڑتے اور خوب ہنستے ہیں۔ کھانے کے وقت انھوں نے کہا کہ: ''وہ ایک ہی پلیٹ میں کھائیں گے۔'' اور ہمیں یہ کہہ کر اُداس کر دیا کہ: ''تم ماں بیٹی الگ کھاؤ گی۔'' قدرتی بات ہے کہ اندر سے تو ہم خوش ہی ہوئے تھے۔ کیوں کہ ہم تو آپس میں ایک پلیٹ شیئر نہیں کرتے، چہ جائے کہ اَوروں کے ساتھ کھائیں!

وہ ایک پُرمسرت دن تھا۔ جب وہ جانے لگے تو میں نے (مولانا) حسین احمد (مدنیؒ) سے دوبارہ آنے کو کہا۔ انھوں نے بتایا کہ: ''خود تو وہ زیادہ نہیں آپائیں گے''، لیکن پھر عزیرگل (جو منگلور کے قریب ہی رُڑکی شہر میں رہتے تھے) کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئے کہ: ''وہ کسی وقت آئیں گے اور ہم سے ملیں گے۔''

چنانچہ عزیرگل دوبارہ آئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے انھیں کافی ستایا۔ کیوں کہ مجھے پردے کی سمجھ نہیں تھی، یا یوں کہہ لیجیے کہ اس سخت پردے کی سمجھ نہیں آئی کہ جو مسلمان خواتین انڈیا میں کرتی ہیں۔ نہ ہی مجھے تصویروں اور موسیقی کے بارے میں اُن کے رویے کی سمجھ آرہی تھی۔ خیر! میں نے یہی سوچا کہ مولوی لوگ تنگ ذہن کے مالک ہیں۔ ہمیں بہرحال اُن کے ساتھ گزارا کرنا ہے۔ یہ تو بہت بعد میں ہوا کہ مجھے اپنے روحانی سلوک کی ترقی کے ساتھ پردے کی حقیقی قدر و منزلت اور موسیقی و تصاویر پر کنٹرول کی اہمیت کا شعور ملا۔

(مسلمان ہونے پر مالی پابندیاں اور فاقے کی نوبت)

پھر ایک ناگہانی ہوگئی! مجھے انگلستان سے خبردار کیا گیا کہ اگر میں نے (عیسائیت کی طرف) واپسی اختیار کر کے ایک انگریز خاتون کے معمول کی زندگی کو پھر سے نہ اپنایا تو مجھے (خرچ کرنے کے لیے) ایک پائی بھی مزید نہیں ملے گی، بلکہ میری اپنی ذاتی رقم بھی میری بیٹی کی تعلیم کی مد میں سرکاری طور پر ضبط کر لی جائے گی۔ یہ ناانصافی تھی، جو میرے ساتھ روا رکھی گئی۔ مجھے فاقے کرنے پڑ گئے، لیکن میں نے اپنی اس بے توقیری پر موت کو ترجیح دی۔ بطور مسلمان میں اب مسیحی خاوند یا اپنے گھر والوں کے پاس واپس نہیں جا سکتی تھی۔

(مولانا عزیرگل سے شادی)

(مولانا) عزیرگل میری مدد کو آئے اور مجھے تحفظ دینے اور ایک گھر بسانے کی پیش کش کی۔ ایک گھر غربت والا، تیاگ والا اور پردے والا، جو میں نے بڑے احترام کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس آخری قدم اٹھانے کے بعد مجھے سمجھ آئی کہ 'تیاگ' کیا ہوتا ہے۔ (مولانا) عزیرگل نے مجھے سکھایا ہے کہ: ''افضل ترین بات یہ ہے کہ بندہ خود بے شک بھوکا رہ لے، لیکن مہمانوں کو خوب سیر کر کے کھلائے۔''

(مولانا عزیرگل کی دینی اور نسبی عظمت)

(مولانا) عزیرگل نے مجھے زندگی کی شیرینی سے روشناس کرایا ہے۔ کیونکہ وہ ایک بہترین مسلمان ہیں۔ اُن کا سادات کے ایک عظیم گھرانے سے تعلق ہے، جو اپنے اس نسبی خاندانی وقار و عظمت کا پاس رکھنے والے ہیں۔ ان کا گھرانہ اپنی نیکی اور علمیت کی وَجہ سے علاقے بھر میں ممتاز ہے۔ نیک اور پارسا لوگ ابھی تک ان کے اجداد کے مقبروں (زیارت کاکا صاحب) کی خوب دیکھ

www.rahimia.org

بھال کرتے ہیں۔ عرب ممالک سے براستہ افغانستان شمالی ہند آنے والوں کے لیے یہ جدی پشتی مقابر گویا سنگِ میل اور نشانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(عظیم رہبر حضرت محمد ﷺ کے لیے تشکر و امتنان)

حقیقی تعلق اور رشتوں میں مشرق یا مغرب کا امتیاز نہیں رہتا۔ (انسانیت کے حوالے سے) ہمارا نصب العین ایک ہے۔ ہمارے خیالات میں ایک لَے کی دھمک ہوتی ہے۔ ہم مل جل کر اسلام کو جینے اور اپنے عظیم قائد اور راہبر یعنی حضرت محمد ﷺ کی مثال پر چلتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھتے ہیں۔ وہ ایک عظیم عملی صوفی تھے۔ آپؐ ہمارے تمام تر تشکر و امتنان کے مستحق ہیں۔ آپؐ ہی وہ شخصیت ہیں کہ جس نے ہم تک الہامی پیغام پہنچایا، وہ اُلوہی پیغامِ حق جو آج تک کسی بھی آمیزش، ترمیم یا آلودگی سے پاک اور محفوظ ہے۔ گو کہ یہ پیغام 1300 برس پہلے دنیا کو سنایا گیا تھا۔

(اپنی اولاد اور دوستوں کے لیے احساسِ تشکر)

میں سپاس گزار ہوں ان دوستوں کی بھی، جو میری تخیلاتی اُلجھنوں اور راہِ سلوک کی پیچیدگیوں میں میرے ساتھ نہایت مخلصانہ ہمدردی کرتے رہے۔ میں اپنے دونوں بچوں کی شکرگزار ہوں، یعنی اپنے بیٹے موریس برنارڈ ککس (Maurice Bernard Cooks) جو کہ اب امریکن شہری ہے اور اپنی بیٹی کی بھی کہ جس نے مسلمان ہو کر میری راہ اپنائی ہے۔ مَیں مس جوزیفائن میکلوڈ (Miss Josephine Mcleod) اور پیاری آنٹی ٹاٹائن (Tantine) کی بھی شکرگزار ہوں۔

میری زندگی کا عظیم ذہنی اور علمی سفر

(زندگی اور سوچ' ثابت شدہ حق پر ہو تو ترقی کرتی ہے)

ایک سائنس دان، ایک سچائی سے مزید آگے ایک اَور بلند تر سچائی کی طرف جاتا ہے اور اسے پاگل یا بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ زندگی کی سائنس بھی ایسی ہی حوصلہ مندی اور استقامت چاہتی ہے۔ کیوں کہ جب تک زندگی اور سوچ کی بنیاد' ثابت شدہ 'حق' پر نہ ہو، بندہ کیسے ترقی کر سکتا ہے؟ آج قرآنِ مقدس ہی واحد غیر متبدل کتاب ہے، جو کسی بھی تحریف سے پاک اپنی اصل، خالص، شفاف الہامی حالت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

(میرے ذہنی سفر کا تمثیلی پیرایہ)

اگر مجھے اپنے ذہنی سفر کو ایک تمثیلی پیرائے میں لکھنا ہو تو وہ کچھ اس انداز میں تحریر ہوگا۔ خیالات کی رنگا رنگ وادیوں میں مٹرگشت کرتے مَیں برسوں کا صحرائی سفر طے کر گئی، جہاں خوب صورت پھول بھی تھے اور سبزۂ نورستہ بھی، جہاں شکلیں اور علامتیں اپنے اپنے نقش جمائے میرے لیے راستہ بُنتی رہیں۔ تب ایک مترنم آواز سنائی دیتی: ''تُو کیا بن گئی ہے؟''(14)

(ذہنی سفر کے دوران ویدانت فلاسفی کے تضادات پر مبنی مکالمے)

''کتنا اشد ضروری ہے کہ سوچ درست ہو!'' میں خود سے سرگوشی کرتی۔

www.rahimia.org

''لیکن سوچ کی درستگی کیسے جاری رہ سکتی ہے اگر یہ سب عالمِ خواب ہی ہے؟'' میں حیران سی ہوکر کہتی۔

راستے میں ایک آواز کہتی:

''مالک تو اپنی 'مایا' کے حساب میں لگا ہے۔ 'سوچیں' جو جہالت کے زور پر زبردستی مسلط کی جاتی ہیں، وہ تو تہہ در تہہ چڑھ چکی ہیں۔'' ('مایا': ہندو فلاسفی میں حقیقتِ مطلق کے مقابلے پر اس مادی دنیا کے واہمہ کو کہتے ہیں۔)

مایا؟

'سوچیں' جنھیں جہالت کے سبب ٹھونسا جاتا ہے۔

مالک کی مایا؟

ارے! خالق خود کیسے مایا کو خلق کرسکتا ہے؟ اُس کی اپنی مایا؟

محض جاہلانہ خیالات ہیں جو بالجبر ذہنوں میں ٹھونسے جاتے ہیں؟

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس روئے زمین پر مَیں 'مایا' رہتے ہوئے 'مایا' سے باہر نکل سکوں؟

یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں جہالت بھرے ان خیالات کے عین بیچ میں رہتے ہوئے کبھی بھی خود کو آزاد کروا سکوں؟ جب کہ یہ بالجبر مسلط کیے جاتے ہیں؟

''خودی' کو پہچانو، 'خود' کو پہچانو، اس معصوم 'خودی' کو جو دیکھتی، سنتی اور سوچتی ہے، کیوں کہ سب کی 'انا' ہونے کی وَجہ سے یہ سب کچھ سمجھتی ہے۔'' سوچوں کے اس جنگل میں مجھے ایک مترنم آواز کی صورت میں جواب آیا۔

میں تھک کر بیٹھ گئی۔ پھر ذہن میں خیال کا کوندا لپکا: ''جو تم سوچتے ہو، بن جاتے ہو۔''

میں کیا سوچتی ہوں؟

میرے پورے ذہن میں ڈھانچوں، خاکوں اور علامتوں کی لمبی قطاریں گزرنے لگیں۔

انھوں نے گویا مجھے ایک اخبوط یعنی ہشت نما (Octopus) کی طرح جکڑ لیا۔ اور گویا اپنی لمبی لمبی ٹانگیں میرے وجود کے گرد لپیٹ لیں۔

میں ایسے مسحور (Hypnotized) ذہن کے ساتھ واضح طور پر کیوں کر سوچ سکتی تھی؟

'ذات' کو پہچانو، اپنے دماغ کے ذریعے اپنے (سوچوں سے بھرے) ذہن سے باہر نکلو۔

تم ہی 'ذات' ہو!

''آہم براطرونا سُوئے!''(Aham Bratrona Suie)

''یہ میں ہی تو ہوں!''

''تم جسم تو نہیں ہو! نہ ہی یہ جسم تمھارا ہے۔ نہ ہی تم کرنے والے ہو اور نہ حظ اور لذت اٹھانے والے۔ تم خود سراپا ذہانت مجسم ہو۔ ابدی شاہد اور آزاد۔ خوشی سے گھومو پھرو۔''

''اب اگر کوئی بندہ 'برہما' (خدا) کے سوا کسی اَور دیوتا کو پوجتا ہے یہ سوچتے ہوئے کہ وہ ایک دیوتا ہے اور دوسرا وہ خود ہے تو

وہ (اپنی) ذات کی حقیقت سے نابلد رہتا ہے۔ وہ تو بس ایک وحشی جانور ہے۔ دیوتاؤں کی کٹھ پتلی۔''

لیکن افسوس یہ ہے کہ میں تو اپنی ذات سے بطور ایک 'انا' کے پوری طرح آگاہ تھی۔ میں سوتی تھی۔ کھاتی تھی۔ پیتی تھی۔ درد وغم کا احساس بھی رکھتی تھی۔ میں کیوں کر کسی بھی سچائی کے ساتھ یہ کہہ سکتی تھی کہ ''آہم برالیما سُوئے!'' (Aham Bralema Suie)

اپنے اسی انسانی ذہن کے ساتھ مجھے 'دماغ' سے ماورا جانا تھا، جسم سے بھی ماورا۔ مجھے کس قدر پختہ یقین تھا کہ میرا ذہن عقل مندی سے سوچنے والی ایک متوازن مشین تھا، جس کے ذریعے میں یہ کامیابی حاصل کر سکتی تھی!

ایسا کرتب کیونکر کیا جائے؟ میں کیونکر وہ ذاتِ یکتا واعلیٰ ہو سکتی تھی، جو خالق کل ہے، وہ ذاتِ واحد جس کو نہ کوئی زبان بول سکتی ہے، نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے، جو تمام اضافتوں سے پاک ہے اور منزہ۔ کیا 'وہ' خود 'مایا' کے جال میں پھنس سکتی ہے؟

یہ کہ جب کہ 'وہ' تو خود اس جھوٹی 'مَیں' کو آزاد نہیں کر سکی تو پھر آخر میں یہ جدوجہد کس لیے کروں؟ اور پھر یہ کہ کروں بھی کیسے؟ جب کہ میرا ذہن اضافتوں اور 'مایا' میں کھویا ہوا ہے۔ ایسا ذہن کہ جس کو ایک صدمہ پہنچے تو چشم زدن میں بکھر جاتا ہے۔ کتنے ہی تھے، جنھوں نے 'آہم براہمی سُوئے۔'(Aham Brahmi Suie) (میں ہی برہما ہوں) کہا اور وہ پاگل ہو گئے۔ تنہا بھٹکنے لگے۔ کتنے ہی تھے جو جنونیت کی اس مایوسی میں اپنی جانیں دے بیٹھے، کیوں کہ ان کا کمزور انسانی دماغ اس قابل نہ تھا کہ بیمار انسانی بدن کا بوجھ اٹھائے پھرتا۔

(ذہنی سفر کے دوران ایک دانش مند بزرگ سے مکالمہ)

''آہ! میں واضح طور پر سوچ بھی کیسے سکتی ہوں؟''

اس کے ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ کوئی بزرگ آدمی بڑے اطمینان اور سکون کی کیفیت میں میرے پاس سے گزرے۔ میں نے بھاگ کر ان کے عبا کو دبوچ لیا۔

''اے دانش مند بزرگ! میری مدد کریں۔'' میں چلّائی۔

وہ بولے: ''اس رہ گزر پر بچے کو کیا تکلیف پہنچی ہے؟''

''جہالت!'' میں نے جواب دیا۔

وہ مسکرائے: ''آؤ میرے ساتھ اور میری زندگی کی کتھا بھی سن لو۔ شاید کہ اس سے تمھاری جہالت مٹ جائے۔'' چنانچہ یوں ہی ان کی عبا پکڑے میں چپ سادھے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

''جہانوں کے مالک نے زندگی کو خلق کیا۔ دونوں کو، مادی کو بھی اور لطیف کو بھی۔'' (گویا ان بزرگ نے میرے ذہن میں چلنے والی سوچوں کی لمبی کتھا پڑھ لی ہو۔ مترجم)

''خدا ہے!''

اُس (خدا) کا 'ہونا' تمھارے اردگرد اور خود تمھارے اندر کی 'زندگی' سے مترشح ہوتا ہے۔ زندگی کا 'انکار' دراصل اُس مالک

www.rahimia.org

کے 'ہونے' کا انکار کرنا ہے۔

''میری بچی! تم نے زندگی کا انکار کیا ہے اور نتیجتاً جہالت کا شکار ہوگئی ہو۔''

''لیکن یقینی اور عقل مندی کی بات بھی یہی ہے کہ یہ زندگی محض مایا ہے؟'' میں نے کہا۔

''مایا؟ 'مایا' سے تمھاری کیا مراد ہے؟ یہ کون ذات ہے، جو کہ 'مایا' کے اندر ہے؟'

''کیوں بابا؟ یہ 'مایا' ہی تو ہے جو ہمیں جیون کے اس بڑے واہمہ میں گرفتار کیے رکھتی ہے۔'' میں مزید بولی۔

بابا نے وضاحت کی: ''جیون کا واہمہ؟ اس سے تمھاری کیا مراد ہے؟ جیون کا کوئی 'واہمہ' نہیں ہوتا۔ تم نے اپنے طور پر 'مایا' کا تصور باندھا اور خود ہی 'واہمہ' کا تخیل گھڑ لیا۔ جس طرح کہ تم نے خود سے انھیں گھڑا ہے، اسی طرح تم ازخود انھیں ختم بھی کر سکتی ہو۔ یہ ایسے سانپوں کی طرح ہیں، جو انسان کو شراب کے نشے میں دھت ہونے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔'' انھوں نے نہایت پُروقار لہجے میں مزید کہا: ''ان تخیلاتی چیزوں کو متوازن سوچ اور الہام کے ذریعے تباہ کیا جاسکتا ہے۔''

(زندگی کی حقیقت اس طرح سمجھیں، جو خدا تک پہنچا دے)

کیوں نہ زندگی کو ویسے دیکھیں جس طرح پر کہ یہ ہے اور جیسا کہ خدا نے اسے اور تمھیں پیدا کیا ہے؟

'اُس' کا ہونا تمھارے اندر ایسے ہی روشن ہے، جیسا کہ سورج کی ایک روشن کرن۔ تم اسی وَجہ سے موجود ہو کہ 'خدا ہے'۔

''لیکن خدا کی حقیقت کیا ہے؟ بابا جی؟''

''خدا وہ ہے جو ہماری اضافتوں بھری زبان میں پوری طرح بیان نہیں ہوسکتا، لیکن 'زندگی' کو جاننے اور جو جو سبق ہمیں زندگی سکھاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہم خدا کے اَور زیادہ قریب ہوتے جاتے ہیں، تب خدا کی رحمت اور فضل سے ہم اسے جاننے لگتے ہیں۔''

''جیون کا انکار کرکے ہم اس (خدا) کو کیسے جان سکتے ہیں جس نے 'زندگی' کو پیدا کیا؟ اب تک تو تم نے زندگی کا انکار ہی کیا ہے، اگر جیون 'واہمہ' ہے، اگر زندگی غیرحقیقی چیز ہے، تو تمھارا ذہن جو تمھارے اپنے مطابق ہی درختوں اور دریاؤں کا محافظ دیوتا/ فرشتہ ہے، [15] کیسے حقیقی دنیا کو زیادہ واضح طور پر دیکھنا سیکھ سکتا ہے؟ ہمیں خالق کے ساتھ فطرت کا مستقل تعلق نظر آتا ہے، ایسا نہیں کہ فطرت کوئی واہمہ ہے، بلکہ ہمیں فطرت بطور ایک حقیقت کے ملتی ہے۔

عظیم قانون دہندہ کی اطاعت کرتے ہوئے اور قانون کی نافرمانی نہ کرتے ہوئے ہماری ارتعاشی لہریں زیادہ لطیف اور ہموار ہوجاتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں کا تزکیہ ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ خالق کے قانون کو دیکھنے اور سننے میں کمال حاصل کرنے لگتے ہیں۔ ایسے تجربے اور اپنے اندر کی طرف متوجہ ہونے کی مشق کے دوران انسانی ذہن خود سے بے خود ہوجاتا ہے۔ اور صرف 'اُسی' ذاتِ حقیقی میں کھو جاتا ہے—— وہ جو کہ خیال و بیان سے بالاتر ہے۔

(خدا کے حوالے سے شعورِ ذہنی کا تجزیہ)

جہاں تک 'شعور' کا معاملہ ہے، یہ اضافتی الفاظ اس تجربے کو بیان کرنے سے عاجز ہیں، لیکن اس کی وَجہ سے ہمیں جیون کا انکار نہیں کر دینا چاہیے، بلکہ اس کی وَجہ سے ہمیں زندگی اور اس کی حقیقتوں کے بارے میں زیادہ متوجہ ہوجانا چاہیے۔

www.rahimia.org

ذہن چار اقسام کے ہوتے ہیں:

1۔ عِنادیہ: حق کا انکار کرنے والے 2۔ لاادریہ: حق کو نہ جاننے والے

3۔ عِندیہ: اپنی سوچ کو حق سمجھنے والے 4۔ اھل حق: ایک ذات پر یکسوئی اختیار کرنے والے

اوّل الذکر تینوں خالق کے منکر ہیں۔ چوتھا ہی وہ واحد ذہن ہے جو مقدس قوانین عطا کرنے والے کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ یہ وہ ذہن ہے، جو جانتا ہے کہ اللہ سب چیزوں پر محیط ہے۔ یہی وہ ذہن ہے جو جانتا ہے کہ اللہ ہی کی طرف سے ہم آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم لوٹنے والے ہیں۔ (16) درحقیقت یہ 'مسلمان' ذہن ہے۔

(زندگی کا متوازن شعور؛ خدا کے نبی اور اُس کی سچی کتابیں)

''میرے بچے! 'آج' بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم یا تو خوف ناک بربادیوں کے کنارے کھڑے ہوتے ہیں، یا پھر اجتماعی طور پر زندگی کے ایک متوازن شعور کے حامل ہوتے ہیں۔''

''زندگی ایک نظامِ تموج و ارتعاش کا نام ہے، جسے ہمیں ضرور بالضرور سمجھ لینا چاہیے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب کہ ہم قانون کی تابع داری کریں اور تموج و ارتعاش کے خالق کو پہچانیں۔ (اللہ کی طرف سے) مبعوث کیے گئے پیغمبروں نے ہمیں نصابی کتب دے دی ہیں۔ یہ کتابیں انسانی دلوں کے کھوٹ اور لالچ کی وجہ سے تحریف کا شکار ہوگئیں۔ سوائے آخری عظیم تحریری کتاب کے۔ ''قرآن پاک'' آج بھی ہر پہلو سے اپنی اسی الہامی سچائی کے ساتھ موجود ہے، جیسا کہ حضرت محمد ﷺ کے پاکیزہ دماغ نے اسے فرستادۂ حق سے وصول کیا تھا۔''

(تھوڑا اور ناقص علم غلط استعمال ہوتا ہے)

ہماری آج کی جدید زندگی میں ریڈیو نے طاقت ور تموج و ارتعاش کی ایک ہلکی سی جھلک دکھلائی ہے۔ تھوڑا علم غلط استعمال ہوتا ہے۔ یہی کچھ ریڈیو کی ایجاد کے ساتھ ہوا ہے۔ ہم جتنا زیادہ شور وشغب کریں گے، اتنا ہی ہماری اپنی حساس (ذہنی) مشین خرابی کا شکار ہوگی۔ ہمیں نئے سرے سے صورتوں اور آوازوں اور نتیجتاً خود زندگی کے بارے میں اپنے شعور اور احساسات کو نئے توازن کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

(تصویروں کی اسیر بند ذہنیت کی خرابیاں)

تصویر کوئی جامد محض کلبوت (قالب) نہیں ہوتی۔ اسلام نے نہایت عقل مندی کے ساتھ انسانی شکلوں کی تصویر کشی سے منع کیا ہے۔ کیوں کہ بے علم آدمی کا ذہن تمام صورتوں کی انسانی شکل میں تجسیم کردینے کی طرف مائل رہتا ہے۔ یہ خداؤں کی انسانی تجسیم کردیتا ہے۔ فرشتوں اور شیاطین کو انسانی صورتوں کا لباس پہنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ خود فطرت کی معنویت اس کے ہاں مبالغے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے، جب وہ پہاڑوں کے خطوط میں انسانی چہرے کا تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ اور درخت کی مُڑی تُڑی شاخوں کو انسان کے پھیلے ہوئے بازوؤں کی صورت میں دیکھتا ہے۔ ایسی ہی بند ذہنیت انسان کو اُن عظیم شخصیات کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار کردیتی ہے کہ جن کے ہاتھوں اللہ کی رحمت سے قوتِ ارتعاش کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔

www.rahimia.org

(آج انسانیت دوراہے پر کھڑی ہے)

افسوس کہ دورِ حاضر کی عوامی جنونیت کی خوف ناکیاں تباہی و بربادی کے ایسے ایسے ہتھیاروں سے مسلح ہوچکی ہیں کہ جو قبل ازیں کبھی بھی اس کی دسترس میں نہ تھے۔ ہم نے آج کی دنیا میں ایک غلط ارتعاش کی تخلیق کردی ہے۔ ہماری سُرور پسندی نے ہمارے ریڈیو، گراموفون اور ٹیلی ویژن کو شور وشغب میں محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے دماغ ایسی جنونیت اور بے ڈھبے پن کے غیر متوازن غل غپاڑے کے رسیا ہوگئے ہیں کہ شاذ ہی کوئی 'خاموشی کے سکوت' کو برداشت کرسکتا ہوگا۔

ہم تباہی و بربادی کے نشانِ راہ تک آگئے ہیں۔ اب آگے دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو زندگی کی تمام عظیم الشان تعلیمات کو یکسر مسترد کردیں یا پھر ان کے اعلیٰ و ارفع علوم کو قبول کرلیں۔

یہ علم ہی تو ہے کہ جس نے ہمیں ظاہری صورتوں، آوازوں اور بالآخر ارتعاش کی قوتوں پر قابو عطا کیا تھا۔ کیوں کہ خالقِ حقیقی نے انسان کو تخلیق کی باقی تمام صورتوں سے بلند اور ارفع پیدا کیا تھا۔ دورِ حاضر کی بے ہنگم اور بے قابو آوازوں اور شکلوں نے آج کی دنیا کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ اور ہمیں موجودہ نام نہاد تہذیب کے کسی بڑے حادثے کا شکار ہونے کے امکانات کا سامنا ہے۔ ہم نے زندگی کے لطیف پہلوؤں کو نظرانداز کردیا ہے اور مادی پہلوؤں کو خوب ترقی دے لی ہے۔

(ظاہر و باطن میں مکمل توازن کا نبویؐ طریقہ)

نبی کریم ﷺ نے تو ہمیشہ زندگی کے لطیف پہلو کو ترقی دینے کی ضرورت پر اتنا ہی زور دیا تھا، جتنا مادی پہلوؤں کی ترقی پر، یعنی باطنی اور ظاہری زندگی میں مکمل توازن و اعتدال! زندگی کا باطن یا لطیف پہلو بھی ترقی کرسکتا ہے جب کہ اس کا ظاہر ایک منظّم اور مرتب کنٹرول کے ماتحت ہو۔ بڑے بڑے صوفیا دنیا سے کٹ کر نہیں رہتے تھے۔ وہ پوری طرح دنیا کے اندر رہتے تھے، لیکن ایک منظّم اور بھرپور 'ضبط' کے ساتھ۔ جنابِ رسالت مآب ﷺ نے 'ضبط' کے قانون کی تبلیغ فرمائی ہے۔

(کسی ضبط کے بغیر بے قابو زندگی کے نقصانات)

گانے بجانے، صنفِ نازک اور خمریات مکمل کنٹرول میں تھے۔ آج یہ بے قابو ہوچکے ہیں۔ اور ہمیں بربادی کا سامنا ہے۔ 'آزادیٔ نسواں' کی تحریک نے اس خوف ناک موت کی زندہ لہر پر عملاً قابو پانے کے لیے کس حد تک کردار ادا کیا ہے کہ دنیا آج جس بربادی سے دوچار ہوچکی ہے؟ اس کی آزادی کی تحریک اس خیال کے تحت پروان چڑھی کہ ممتا کی خالص ترین قوت کی حامل ہوتے ہوئے وہ شرحِ پیدائش پر قابو پاسکے گی۔ اس لیے اسے پابند یا محجوب کرنے کے بجائے آزاد کردیا جائے۔ کیا ساری تہذیبیں اسی وقت تباہ نہیں ہوئیں، جب 'صنفِ نازک بے حجاب ہوگئی؟' حالانکہ باپردہ عورت تو خود ایک طاقت ہے۔ بے پردہ عورت جسمانی لذتیت رکھتی ہے۔ حد سے زیادہ موسیقی کی طرح بے پردہ عورتوں نے آدمی کے مزاجی اعتدال کو ذہنی طور پر منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ اور نتیجتاً اس کے دانش مندانہ اور پابندِ ضابطہ طرزِ حیات کو بھی۔ اسی لیے زندگی میں باطنی قوت کو بھی ظاہری طاقت کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اعتدال پیدا کرنا چاہیے۔ فطرت کے سارے دائرے میں صنفِ نازک ہمیشہ محجوب اور پردے میں نظر آتی ہے۔ یہی قانونِ فطرت ہے۔

www.rahimia.org

(متوازن تہذیب کے لیے باطنی سلوک کی اہمیت)

اس دنیا میں زندگی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنا زیادہ وقت کام کرنے میں صَرف کرے۔ باقی محدود سا وقت (جو بچے گا، اسے) اگر باطنی سلوک پر صَرف نہ کیا گیا تو بدی کی قوتوں کے تنویمی عمل (Hypnotism) سے اپنی حفاظت کے لیے بہت تھوڑی توانائی مہیا کر سکے گا۔ ناچ گانے اور سینما و فلموں میں خرچ کیا جانے والا وقت انسانی ذہن کے حفاظتی توازن کو درہم برہم کر کے انسان کی استدلالی قوت کو شل کیے جا رہا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ انسان ایک بار پھر اپنے باطن میں غور کرنا سیکھے، تاکہ 'صدا' اور 'سکوت' کے امتزاج سے ایک بار پھر ایک متوازن تہذیب کو اُجاگر کرے۔ کیوں کہ ہم ظاہر اور باطن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہم نے بارہا تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسی قوموں کو زوال اور ذلت کے گڑھوں میں گرتے دیکھا ہے، جنھوں نے اندرونی بنیاد کو نظر انداز کیا اور محض ظاہری زندگی کو ہی بڑھاوا دیتے رہے۔ آخر کیوں بندوں نے اپنی نادانی میں ان دونوں کے مابین ایک تصوراتی خطِ تفریق کھینچ ڈالا۔ جنابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک متوازن اور جامع طرزِ حیات کی تلقین فرمائی تھی۔ گویا کہ زندگی کا انکار نہیں، بلکہ زندگی کو اس کا حقیقی مقصد اور مقام دینا ضروری ہے۔

(قرآن حکیم؛ زندگی بسر کرنے کی حقیقی شاہراہ)

اپنے لباس کی تہوں میں سے نکال کر اس بزرگ نے مجھے ایک کتاب (قرآن حکیم) عنایت فرمائی: ''میرے بچے! مجھے نہیں، اس بیاض کو اپنے جیون کا رہنما بنا لینا، بلکہ میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ اس میں درج کیے گئے قواعد و ضوابط کی پیروی کروں۔ اس عظیم کتاب میں تجھے زندگی کی حقیقی شاہراہ ملے گی۔ اس کے نظامِ (فکر و عمل) کی پیروی کرو۔ پھر جیون غیر حقیقی نہیں رہے گا، بلکہ اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ بھرپور نظر آئے گا۔''

(میری زندگی کی کامل ترین منزل؛ دینِ اسلام)

میرے ذہنی ارتقا کی کہانی کچھ یوں آگے چلتی ہے کہ آج میں تمام تر کاملیت کے ساتھ زندگی کا سامنا کر رہی ہوں۔ میں نے موت اختیار کر لی، لیکن دوبارہ جی اُٹھنے کے لیے۔[17] رسولِ پاک ﷺ میرے حقیقی استاذ تھے۔ میری زندگی کا حقیقی بپتسمہ اسلام کا سچّا رنگ ہے۔

یوگا کی وہ سائنس کہ جس کے پیچھے ساری دنیا پڑی ہوئی ہے، وہ اسلام میں ہی اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی بنیاد مقدس الہامی سچائی پر ہے۔ یہ کہنا کہ ہر راہ اسی منزل کی طرف جاتی ہے، دراصل ضعیف الاعتقادی ہے۔ بہت سی راہیں تو بالآخر بند گلی ثابت ہوتی ہیں۔

میں 'مسلمان' ہی تو پیدا ہوئی تھی۔ پھر خیالات کے گورکھ دھندوں میں ماری ماری پھری۔ اور بالآخر اپنی منزل پر لوٹ آئی۔ دعا ہے کہ میری زندگی صحیح معنوں میں اللہ کے قانون اور رضا کے اتباع و انقیاد کے نصب العین کے حصول میں بسر ہو جائے۔

اللہ سے بھاگ کر بندہ اللہ کے علاوہ کہیں نہیں جا سکتا۔ اللہ کی طرف سے آئی ہوں اور اللہ ہی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

(میرا کلمہ یہ ہے) لا إلٰه إلاّ الله محمّد رّسول الله

www.rahimia.org

راہِ اعتدال

(سچائی، خودی اور انسانی کمال کی تلاش)

بندہ آخر 'سچائی' کو ڈھونڈتا کیوں ہے؟ میں نے خود سے پوچھا۔ یہ کون سی جبلت ہے کہ سبھی بندوں کو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر یہ جاننے کی فکر ہونے لگتی ہے کہ ''مَیں کیوں ہوں؟''، ''مَیں کیا ہوں؟'' یہ 'مَیں' سچائی کی نسبت سے کیا چیز ہے؟

وہ کیا چیز ہے، جو انسان کو 'کمال' کے حصول میں بے چین اور مضطرب کیے رکھتی ہے؟ 'کمال' زندگی میں، آرٹ میں، سائنس میں، علم میں، عقل و دانش میں، حسن میں، صحت میں اور درحقیقت ہر اُس سب کچھ میں جس سے انسان کی زندگی تشکیل پاتی ہے۔ اشارے اور زبانیں ہی وہ ظاہری شکل ہیں، جن میں انسان مدتوں سے خود کو، اپنے محسوسات کو اور اپنی معلومات کو بیان کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

(انسانی کمال کی تفہیم کے لیے خدا کی پہچان)

انسان نے (اپنے مافی الضمیر کے اظہار و بیان کے لیے) بولیاں اور زبانیں پیدا کیں، لیکن خود انسان کو خدا نے پیدا کیا۔

خدا کیا ہے؟

خدا نے انسان کو تخلیق کیا ہے، لیکن بندہ اس خدا کو کیونکر پہچانے کہ جس نے اسے تخلیق کیا ہے؟

اپنے ارتقا کے دوران انسان نے جان لیا ہے کہ وہ اپنے مقدر کا مالک نہیں ہے۔ اور یہ کہ کسی اَور قوت نے انسان کے لیے زندگی کی ایسی منصوبہ بندی کر رکھی ہے کہ جو کچھ بھی وہ کر سکتا ہے، کرتا رہے، لیکن وہ اس قوتِ قاہرہ رکھنے والی ذات کی طاقت اور قوت کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ انسان نے اس قوت کو ایک نام دے رکھا ہے، جو مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ میں پکارا جاتا ہے۔ انگریزی بولتے وقت ہم اُسے 'گاڈ'(God) (یعنی خدا) کہتے ہیں۔ دنیا کی تین قدیم زبانیں (ہندی، چینی اور عربی) بولنے والے لوگ اسے بالترتیب 'برہما'، 'تاؤ' اور 'اللہ' پکارتے ہیں۔

(ہر زبان میں اللہ کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ اُس کی قوت کا اظہارِ بیان ہیں)

ہر زبان میں انسان اس امر کے بیان میں یہ احتیاط ملحوظ رکھتا ہے کہ جو لفظ وہ اس 'قوت' کے نام کے طور پر استعمال کرتا ہے، وہ اس کے ساتھ موزوں اضافت رکھتا ہو۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اُس ذات کے اظہار کے لیے 'براہما'، 'تاؤ' اور 'اللہ' کے الفاظ کا استعمال کرنا اس کی ذات کو بیان کرنے کی ایک کوشش ہے، جو قیدِ بیان میں آنے سے بالاتر ہے۔ انسان کو یہ علم کیسے ملا؟ انسان تو بس یہ جان پایا ہے کہ اس کا علم ایک 'پردے کے پیچھے' سے آیا ہے۔ پردۂ سماعت و بصارت کے پیچھے سے۔ بصارت و سماعت خود اس کے باطن کا حصہ ہیں۔ انسان نے یہ بھی جانا کہ وہ زندگی یا شعور کے مختلف مراحل اور ذہنی حالتوں سے گزر چکا ہے۔ یعنی وہ کامل ترین علم کی معرفت تک اس وقت پہنچا، جب وہ گہری مغلوب الحالی (لاشعوری) کی کیفیت میں داخل ہوا۔ وہ کیفیت کہ جسے آج کی زبان میں تحت الشعور یا شعورِ ارفع(Super Conscious) کہتے ہیں۔

www.rahimia.org

(انبیا علیہم السلام اس حوالے سے ایک مکمل علم لائے)

ایسے افراد کہ جو اس ارفع شعوری کیفیت میں ڈوب جانے، پھر لوٹ کر شعوری کیفیت میں واپس آ جانے اور نچلے درجے کے ذہنی ترقی والے افراد کے سامنے وہ کچھ بیان کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے کہ وہ کن کیفیات سے گزرے اور انھوں نے کیا کچھ جانا، وہی رجالِ عظیم یا 'مردانِ کامل' کہلائے اور ان کا نام 'نبی' یعنی غیب کی خبریں دینے والا رکھا گیا۔ یہ مردانِ کامل انسان کے لیے ایک مکمل علم لائے، لیکن وہ اُس کو اضافتی زبان میں بیان کرتے تھے۔ ایسی زبان جو انسان کے شعور سے تعلق رکھتی ہے۔ تحت الشعوری کیفیت سے نہیں۔

اب انسان کے لیے بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ ایک جانب تو اسے یہ 'علمِ کامل' اضافتوں کی زبان میں بیان کرنا ہوتا تھا، جب کہ دوسری جانب نچلی سطحِ کمال کے لوگ 'اس علم کو' اپنی ذہنی سطح اور حالتِ ارتقا کے مطابق ہی سمجھ سکتے تھے۔

(انبیا علیہم السلام کے بعد کم علم والوں نے خرابی پیدا کی)

چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ جیسے ہی کوئی مردِ کامل وفات پا جاتا، کم تر درجے کی شخصیت والے اس علم کو پھیلاتے اور (اپنی صلاحیت کی کمی کی وَجہ سے) اس میں اپنی کم علمی سطح کے تناسب سے خرابی بھی ڈال بیٹھتے۔ اور شاید بعد کے ادوار میں ایسا بھی ہوا ہو کہ وہ اپنے جیسے دوسرے لوگوں پر اقتدار کی خواہش اور منصوبے کو پورا کرنے کے لیے بھی ایسا کرتے رہے ہوں!

ان لوگوں کو یہ ذہنی قوت ـــــ خود اپنی ذات کے فائدے کے لیے ـــــ نفع بخش لگتی تھی۔ لیکن اپنی تمام تر ہوشیاری اور چالاکی کے باوجود چوں کہ انسان خالق تو نہیں ہے، خواہ وہ کم تر درجے کے لوگوں کے سامنے اپنی (جھوٹی) اُلوہیت کا کتنا بھی ڈھول پیٹ لے، خالق کے منصوبے کے مطابق ہر بار ایک مردِ کامل (نبی) پیدا ہوتا تھا کہ بنی نوعِ آدم 'حق' کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور یوں خالقِ کائنات کی طرف سے حق کی طرف واپس بلانے کا سامان ہوتا رہتا تھا۔

(آخری سچائی خدا تعالیٰ کی معرفت ہے)

'حق' کا بیان اگرچہ اضافتی پیرائے میں ہی ہوتا تھا، پھر بھی بنی نوعِ انسان کے لیے مددگار ہوتا تھا۔ کیوں کہ یہ 'حق' ہی انسان کو بتاتا تھا کہ لفظوں کی تہہ میں اور خود اپنے من میں چھپی حقیقت کے اندر اُتر کر 'اُسے' پہچانے جو کہ زبان و بیان سے ماورا ہے اور ذاتی طور پر خود 'خدا' کو جاننے کی انتہائی لذت کی معرفت کا شناسا بنے۔ سبھی مردانِ کامل (انبیا و حکما) نے توحیدِ خداوندی کی تصدیق کی۔ خدا جو خالق ہے، صانعِ (حقیقی) ہے، بادشاہ ہے اور آخری سچائی وہی ہے۔

(خدا کی تخلیق کردہ کچھ لطیف صورتیں: ملائکہ، جنات اور شیاطین)

تنہا انسان ہی تخلیق کی شکل نہیں ہے، بلکہ حیوانات و نباتات کے مستقل الگ جہان آباد ہیں۔ تخلیق کی کچھ زیادہ لطیف صورتیں بھی ہیں، جنھیں ملائکہ، جنات اور شیاطین کہا جاتا ہے۔ انسان نے اپنی جہالت کی وَجہ سے ایسی لطیف صورتوں کو 'خداؤں' (دیوتاؤں) کے نام دے رکھے ہیں۔

جدید دور کے چھچھور پن اور مذہب کا مذاق اڑاتے ہوئے ہم شیطان کا (ایک خاص) مسکراہٹ کے ساتھ مشتبہ انداز میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ کھلنڈرے پن میں اس کو اپنا اچھا ساتھی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ تخلیق کے وقت سے ایسا ہی تھا۔ اسی طرح جدید احساسِ تفاخر' فرشتوں کے ذکر پر ہمیں ایک تمسخر آمیز ہنسی ہنسا دیتا ہے۔ محض اس وَجہ سے کہ شیطان اور فرشتے کے الفاظ ہماری قدیم انگریزی لغت کا ورثہ ہیں، جو ہماری آج کی 'ترقی یافتہ' ذہنیت کے مطابق اپنی معقولیت کھو چکے ہیں۔

زبان کی بدلتی ہوئی اور اصطلاحاتی اضافتوں کے لحاظ سے اگر آج ہم لفظ 'قوتوں'(Powers) کا استعمال کرلیں تو اکثریت ہم میں سے تسلیم کرے گی کہ نیکی اور بدی کی قوتیں برسرِکار رہتی ہیں۔ ہم بھوتوں کے بارے میں سنتے ہیں۔ انھیں محسوس بھی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ہمیں دکھائی بھی دیتے ہیں۔ پھر بھی یہ کچھ ایسی چیز ہے کہ بیسویں صدی کے غرورِ علمی کے باوجود ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہم انھیں نہ جانتے ہیں، نہ ہی سمجھتے ہیں۔

(فرشتے: ایک لطیف نورانی وجود)

'فرشتہ' کا لفظ ایک لطیف نورانی وجود کو ظاہر کرتا ہے، جس کی تخلیق انسان کی مادی تخلیق سے پہلے کی گئی ہے۔ چوں کہ ہم مادی ذہنیت کے لوگ ہیں، اس لیے فرشتے کو انسانی تجسیم دے دیتے ہیں۔ جب کہ کسی بھی مردِ کامل نے، جن سے کہ ہم نے علم و معرفت تک رسائی پائی ہے، کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ فرشتے انسانی صورت رکھتے ہیں۔ فرشتہ جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے، خود کو اور دیے گئے پیغام کو ظاہر کرنے اور ہم تک عملی پہلو سے منتقل کرنے کے لیے حسبِ ضرورت کوئی بھی شکل اختیار کرسکتا ہے۔

بندے محض احمقانہ تکبر اور غرور کے ساتھ زندگی کے اسٹیج پر 'دیوتاؤں' کی طرح اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں۔ بے چارے بے بس 'دیوتا' جو ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے۔ یہاں تک کہ کسی مکھی کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو زہریلا کرنے سے بھی نہیں روک سکتے۔ وہی مکھی جو کہ اپنی فطرت کے مطابق پوری وفاداری کے ساتھ قانونِ الٰہی پر چلتی ہے۔

تخلیق فرشتوں اور شیاطین کو مانتی ہے۔ اور تمام تخلیق شدہ چیزوں، یہاں تک کہ شجر و حجر کی حفاظت پر بھی فرشتے مامور رہتے ہیں۔

(شیطان: جنات میں سے ایک دوسری لطیف مخلوق)

شیطان بھی جنات میں سے ہے، جو کہ ایک دوسری لطیف مخلوق ہیں، جس نے خود کو انسان سے برتر سمجھتے ہوئے خدا کے اس حکم کو ماننے سے انکار کردیا تھا، جس کے تحت اسے انسان کے سامنے جھکنے کو کہا گیا۔ چنانچہ اس عظیم 'جن' (ابلیس) کو شیطان مردود قرار دے دیا گیا۔ اور اسے یہ طاقت دے دی گئی ہے کہ وہ اپنے مقابلے میں اس انسان کی طاقت کا امتحان کرلے کہ جس سے وہ اتنی نفرت کرتا ہے۔ لیکن خدا نے یہ بھی متعین طور پر واضح فرما دیا ہے کہ الٰہی قوانین اور سچے توازن کے وفادار انسان کبھی بھی اُس شیطان سے متاثر نہیں ہوں گے، جو خود ہی اپنا توازن کھو بیٹھا ہے۔ اگر انسان اپنے خالق کے ساتھ سچا ہے تو وہ شیطان اور بدی کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے۔

www.rahmia.org

(اسمِ 'اللہ'؛ حقیقتِ حقانیہ کا انسانی اظہارِ بیان)

اپنی اضافتوں والی زبان میں ہم خدا اور لطیف مخلوقات کے لیے ضمیر مذکر —He— (واحد غائب) استعمال کرتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس کو محض ایک اظہارِ حقیقت کے طور پر لیا جائے، نہ کہ اظہارِ جنس کے طور پر۔ انسان سچائی کا متلاشی ہوتا ہے، لیکن سچائی معلوم ہوجانے پر وہ اسے اضافتی انداز میں زبان و بیان کی قید میں لانے پر مجبور ہوتا ہے۔ انسان نے اپنے خالق کا نام رکھنے کی کوشش بھی کی ہے، چنانچہ دو الفاظ 'برہما' اور 'اللہ' ابھی تک کسی انسان کے لیے استعمال نہیں کیے گئے۔ ان ناموں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس (حقیقتِ حقانی) کے اظہار و بیان کی کوشش کا حصہ ہیں کہ جس کو کلی طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان ناموں میں انسانی شخصیت کا کوئی پہلو بھی شامل نہیں ہے۔ ان سے کسی قسم کے انسانی رشتے کا مثلاً باپ، ماں یا بیٹے کا خیال انسانی ذہن میں نہیں آتا۔ اس لیے یہ خالص ترین نام ہیں۔ بہت سے حکما 'ابدی صداقت' لے کر آتے ہیں اور انسانوں کو اس کی یاددہانی کرواتے رہے ہیں۔

(کتبِ سابقہ اور الہامی تعلیمات میں تحریفات و تضادات)

جب ہم مختلف کتابوں اور الہامی پیغامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ان میں ملاوٹ کردی گئی ہے۔ آج کے دور میں آدمی بالکل بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کسی دانش مند نے دراصل کیا کہا تھا۔ کیوں کہ بعد میں آنے والے ان کے چیلوں نے کتابوں کے متن میں گڑبڑ کردی ہے اور انھیں مسخ کر ڈالا ہے۔ آج کا آدمی ان میں تضادات کی اس قدر بھرمار دیکھتا ہے تو اُسے لگتا ہے کہ سچا پیغام تو کہیں گم ہی ہوکر رہ گیا ہے۔ انھوں نے ان الہامی پیغامات کو مسخ کرنے پر ہی قناعت نہیں کی، بلکہ اپنے جوش و جذبے میں ایک خدا کو بھی کئی خداؤں میں تقسیم کر ڈالا۔

(تحریف سے پاک خالص سچائی؛ قرآن حکیم)

بالآخر ہم مایوسی میں پیچھے پلٹ جانے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ آخر ایک خالص اور بے میل سچائی کا پیغام کہاں ملے گا۔ ایک کتاب البتہ ایسی ہے کہ جس میں وہ پیغام جوں کا توں موجود ہے، خالص اسی حالت میں کہ جیسا اسے نازل کیا گیا تھا۔ وہ ہے 'قرآن'! جس دانش مند حکیم نے وہ الہامی پیغام پہنچایا، وہ پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔ محمدؐ نے مطلقاً یہی کہا تھا کہ

''وہ کوئی نیا پیغام نہیں لائے، بلکہ یہ کہ وہ تو مدتوں قدیم سچائی کی یاددہانی کروانے والے ہیں۔''(18)

اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) یقین دہانی کرائی کہ:

''اس کتاب میں کبھی کسی طرح کی ترمیم و تحریف نہیں ہوسکے گی۔''(19)

اور تیرہ صدیاں (اب چودہ صدیاں) بیت چکیں مگر اب بھی یہ پیغام اپنی اس خالص شکل میں برقرار ہے۔ کوئی لفظ، کوئی اعراب تک نہیں بدلا۔ یہ ایک عظیم معجزہ ہے، جو ہر کسوٹی پر پرکھے جانے کے بعد ہر شک و شبہ سے پاک ثابت ہوچکا ہے۔

القرآن (عقل مندی اور درست توازن پر مبنی راہِ عمل)

قرآنِ پاک سے ہمیں جیون کے مادی اور لطیف دونوں پہلوؤں کا سچا توازن اور درست لائحۂ عمل سیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم سیکھتے

www.rahimia.org

ہیں کہ زندگی کو حمد و ثنا، عقیدے اور یقین کے پہلو سے لینا چاہیے۔ اس یقین کے ساتھ کہ تمام زندگی کی تخلیق و تشکیل کرنے والی ذات ہی درست نصب العین کی طرف رہنمائی اور ہماری کارکردگی کے بارے میں فیصلے کا حق رکھتی ہے۔ چنانچہ جیون کو ایسے گزارنا چاہیے کہ انسان خوشی خوشی اپنی تمام تر ذہانتوں کے ساتھ ایک مکمل نظامِ تقدیر و قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ ایک مسلمان کا پہلا کام یہ دعا کرنا ہے کہ اُسے راہِ راست پر چلنے کے لیے عقلِ سلیم اور درست رہنمائی حاصل ہو جائے۔ یعنی ایسی راہِ عمل جو عقل مندی اور درست توازن پر مبنی ہو۔

(اللہ کی وحدانیت پر پختہ یقین)

ایک مسلمان (قرآن حکیم کی تعلیم کے نتیجے میں) ہمیشہ یہ بات یاد رکھتا ہے کہ:

- ☆ خدا واحد اور یکتا ہے۔ ☆ ناقابل تغیر ہے۔
- ☆ لافانی ہے۔ ☆ قائم بالذات ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ وہ لازمان و لامکان ہے، یعنی زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماورا ہے۔

(صفاتِ الٰہیہ؛ انسانی شعور کو اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کا ذریعہ)

صفاتِ الٰہی بھی خدا ہی کے نام ہیں — یہ 99 صفاتی نام ہیں، جب کہ سوواں نام 'اللہ' ہے — یہ انسان کو یاد دہانی کرانے کے لیے ہیں کہ درحقیقت خدا کی ذات کو (پوری طرح) احاطۂ بیان میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ اسماء الحسنٰی تو انسانی سوچ کی ترقی کے لیے ہمیشہ سے ایک زینہ اور سیڑھی کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جن کے ذریعے سے انسان قدم بہ قدم اللہ کے ساتھ حاصل ہونے والی نسبتوں کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اعلیٰ ترین نسبت اور حالت تک پہنچتا ہے، جب کہ اصلیت تو وراء الوراء ہے۔

کسی بڑے آدمی کا کہنا ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ: 'اللہ کیسا ہے؟' تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ: 'ایسا نہیں'، 'ایسا تو نہیں وہ' یعنی زمین پر موجود اور کائنات میں دستیاب ہر چیز کے حوالے سے۔ اللہ کے صفاتی نام تو انسانی ذہن کو شعور کے بلند ترین مدارج تک اونچا اٹھانے میں مدد دینے کے لیے ہیں۔

(عقل مند انسان کے لیے عقیدے کی شعوری اہمیت)

انسان کی زندگی کی بنیاد 'عقیدہ' پر ہے۔ کوئی غیر ذی عقل عقیدہ نہیں رکھتا۔ کیوں کہ انسان کو دماغ جیسی نعمت سے اسی لیے تو نوازا گیا ہے کہ وہ سوچے اور غور کرے۔ جب موسیٰ علیہ السلام علم کی جستجو میں ایک دانش مند (خضر علیہ السلام) سے ملے تو آپؑ سے یہی سوال کیا گیا تھا کہ: ''تم اس امر پر کیوں کر صبر کر پاؤ گے، جس کا اطمینان بخش حد تک علم تمھیں نہیں دیا گیا۔؟''(20)

انسان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے دماغ اور چیزوں میں امتیاز کی صلاحیتوں کو استعمال کرے۔ اس کے باوجود انسان کو اس حقیقت کا ادراک بھی ہوتا ہے کہ جن امور پر اسے کلی واقفیت نہیں، ان میں اسے بڑی حد تک کسی پر بھروسے سے کام لینا پڑے گا۔ اسے 4=2+2 (دو اور دو چار ہوتے ہیں) کی سمجھ تو آ جاتی ہے، لیکن اونچے درجے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے کسی ایسے بڑے کی ضرورت ہوتی ہے، جو زیادہ اونچے درجے کی (علمی اور عملی) قابلیت رکھتا ہو۔

www.rahimia.org

یہ پیغامات جو ایسے دانش مند (انبیا علیہم السلام یا حکمائے عظام) لاتے ہیں 'وحی' یا 'الہام' کہلاتے ہیں۔ آسمانی وحی اور الہام کا سلسلہ جاری رہا ہے، جو اضافتوں کی دنیا سے ماورا سرچشمے سے آتے ہیں۔ پیغام کا بڑا حصہ 'بھروسے اور اعتماد' پر قبول کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انسان اُسی پیغام کو قبول کرتا ہے، جس کی صداقت ثابت کی جاسکتی ہو۔

(پیغمبر کے پیغام کی صداقت جانچنا اور اس پر بھروسہ کرنا)

انسان کو نہایت ہوشیاری اور سمجھ داری کے ساتھ پیغمبر اور اُس کے پیغام کی صداقت کو جانچ لینا چاہیے۔ پیغمبر کو جانچا جانا چاہیے۔ اگر کوئی اپنے بچپن سے ہی اپنے غیر صادق اور پست اَخلاق ہونے کی شہرت رکھتا ہو اور پھر ایک روز وہ دعویٰ کردے کہ وہ کوئی بڑی صداقت کا پیغامبر بن کر آگیا تو ہمارا حق ہے کہ اس پر شبہ کریں۔ حضرت محمد ﷺ اپنے بچپن سے ہی اپنی سچائی اور امانت داری کے لیے مشہور تھے۔ اس حقیقت کو دوست دشمن سبھی مانتے تھے۔ لہٰذا جب آپؐ نے ایک پیغام پہنچایا تو ہر شخص کو احساس ہوا کہ اس میں ضرور کوئی خاص بات ہے۔ یہ سب جاننے اور ماننے کے بعد انسان کا منطقی فرض ہے کہ وہ خود کمالِ ذہانت سے اس پیغام کا بغور مطالعہ کرکے اس کو خوب جانچ کر اس کی بابت اپنے لیے فیصلہ کرے۔ اگر وہ اس پیغام کی بنیادی سچائی پر مطمئن ہوجاتا ہے تو باقی تفصیلات کو بھروسے پر قبول کرلے۔

(پیغمبر خدا کی وحدانیت پر یقین کا پیغام دیتا ہے)

ہماری ذہانت مانتی ہے کہ خالق ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اگر زیادہ ہوتے تو یقیناً تنازع پیدا ہوتا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

''کبھی بھی اللہ نے اپنے لیے بیٹا نہیں بنایا۔ اور کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا (شریک) نہ تھا۔ ایسی صورت میں ہر خدا یقیناً اپنی تخلیق پر قبضہ جما لیتا اور اُن میں سے کوئی ایک یقیناً اَوروں پر غلبہ پالیتا۔ اللہ پاک ہے اس سے جو کچھ کہ یہ بیان کرتے ہیں۔''(21)

کسی بڑے آدمی نے ایک بار کہا تھا کہ لوگوں میں سے اکثر اپنے اردگرد نظامِ فطرت کو جاری دیکھتے ہیں تو وہ ایک خالق کو پہچان سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی صاحبِ دانش ہی آکر انھیں یہ سچائی یاد دلایا کرے۔ (البتہ) ایک دانش مند کی ضرورت اس مقصد کے لیے پیش آتی ہے کہ وہ آکر انسان کو خدا کی وحدانیت کی یاد دہانی کروائے۔ کیوں کہ انسان بار بار اپنے لیے بہت سے خدا ایجاد کرتا رہا ہے۔ سارے دانش منداسی سچائی، یعنی توحیدِ خداوندی کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔

(ہماری شعوری زندگی کا آغاز؛ ایمان و یقین کا عقیدہ)

اپنے دور میں آج ہم کسی ایسے دانش مند (یعنی پیغمبر) کو دیکھنے کی سعادت سے محروم ہیں، نہ ہی ہم نے خدا کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہماری شعوری زندگی عقیدے کے عمل سے شروع ہوتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم نے خود کو تخلیق نہیں کیا ہے، بلکہ ہمیں تو تخلیق کیا گیا ہے۔ ہم فطری طور پر عبودیت اور عاجزی کے ساتھ اسی خالق کی طرف رجوع کرتے ہیں، تاکہ یقین و ایمان حاصل کرسکیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ خالق جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یقیناً وہی ہمیں ایمان کی دولت عطا کرسکتا ہے۔ اور وہی اس عقیدے و ایمان کو ہمارے دلوں میں راسخ فرما سکتا ہے۔ اوّلاً

www.rahimia.org

خالق پر اور پھر اپنے آپ کو اُسی خالق کا بندہ ہونے پر پختہ یقین کیے بغیر انسان نہ تو اس دنیا میں کچھ حاصل کرسکتا ہے، نہ اگلے جہان میں۔ جدید نفسیات ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ زیادہ تر گناہوں یا انسان کی زندگی کی بے اعتدالیوں کا سِرا انسان کے اپنی ذات پر اسی عدمِ یقین سے جا ملتا ہے جس کے پیچھے نفسیاتی اُلجھنیں یا خوف یا تشکیک کارفرما ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام کا آغاز اسی عمل یعنی اعتقاد سے ہوتا ہے۔

(انسانی زندگی کا عملی نظم وضبط؛ امن وسلامتی)

انسان کی شخصیت کو ایک نہایت مستحکم بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے، جس کے بغیر وہ سکونِ قلبی کے ساتھ زندگی کے امتحانات کا سامنا نہیں کرسکتا۔ پھر اس کی زندگی کا عملی اور نظم و انضباط کا دور شروع ہوتا ہے۔ امن (سلامتی) اسلام کا کلیدی لفظ ہے۔ صرف اور صرف امن وسلامتی ہی میں انسانی ذہن مثبت طور پر ترقی کرتا ہے۔ ہمارے عالم و فاضل ماہرینِ نفسیات سے کہیں پہلے خالقِ حقیقی انسان کی اس بنیادی ضرورت سے آگاہ تھا۔ سلامتی (امن وسکون) ہی وہ پہلی دعا ہے، جو السلام علیکم کہہ کر ہر مسلمان ہر صبح بیدار ہوتے ہی (اردگرد والوں کو) دیتا ہے اور وصول کرتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے یا رُخصت ہوتے وقت اور سبھی ملنے والوں سے ملاقات کے وقت بھی سلامتی کی دعا دی جاتی ہے اور وعلیکم السلام کے جواب کی صورت میں وصول کی جاتی ہے۔ رات کو جب سونے لگتے ہیں، تب بھی اہلِ خانہ کو امن وسلامتی کی دعا دی جاتی ہے۔ انسانی زندگی کا عمر بھر کا وظیفہ ہی اپنے لیے اور دوسروں کے لیے سلامتی کا ماحول پیدا کرنا ہوتا ہے۔

(اپنے نفس پر قابو پانے کی ریاضت کی ضرورت)

مسلسل مشق کے ساتھ ہی اپنی حِسّیات پر آہستہ آہستہ قابو حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کی بابت یومِ آخرت کو ہر شخص کو اپنی زندگی بھر کی کارکردگی کا حساب دینا ہوگا۔ سماعت، لمس، بصارت، لذتِ ذائقہ اور سونگھنے کی قوت، غرض تمام حِسّیات اس روز انسان پر گواہ ہوں گی۔ اس لیے ریاضت اور خود اپنے نفس پر قابو پانا ہر مسلمان کے لیے بے حد ضروری ہے۔

(ریاضت کے لیے مسلمانوں کے اعلیٰ اَخلاق)

چنانچہ درجِ ذیل اَخلاق حاصل کرنے کی مشق اور ریاضت کرنا نہایت اہمیت رکھتا ہے:

طہارت ، رحم دلی ، عبادت ، اخوت ، عدل ، صفائی ستھرائی ، سخاوت ، صبر

جرأت ، استقامت ، بُردباری ، قناعت ، انکساری ، مطالعہ ، عفو

(1۔ طہارت؛ ایک بنیادی خُلق)

'طہارت اور پاکیزگی' درحقیقت سبھی دیگر اَخلاق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ طہارت کی مشق قدم بہ قدم انسانی ذہن میں راسخ ہوتی ہے۔ پہلے تو ہر شخص کو توحید پر پختگی سکھائی جاتی ہے۔ اور یہ کہ رحمتِ الٰہی بے حساب اور لامحدود ہے۔ پھر ہم اپنے مادی بدن کی طہارت کرکے اُس کا حق بھی پورا کرتے ہیں۔ ہمیں فطری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے طہارت کے ذریعے اپنے بدن کے قابلِ صفائی حصوں کو دھونے کے اصول وضوابط سکھائے جاتے ہیں۔ مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ 'پاک' ہو۔

www.rahimia.org

شاید مغربی زبانوں میں طہارت کا پورا مفہوم بیان کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہوگا۔ پیوریٹی (Purity) اس کے قریب ترین مفہوم دے سکتا ہے۔ اگر کسی حادثے یا خاص حالات کے تحت انسان پاک نہیں ہے تو اسے اپنی اوّلین فرصت میں پاکیزگی کی حالت کو پانا ہوتا ہے۔ وہ کبھی اور کسی صورت میں بھی جسمانی طہارت کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ بالخصوص تمام نمازوں کے متعین اوقات میں ایک مسلمان کے لیے قاعدے کے مطابق غسل یا وضو کرکے طہارت کے تقاضوں کو پورا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ہماری زندگی کا انتہائی مقصد ہی زندگی کے اس امتحان کو پاس کرنا ہے۔ ہماری زندگیاں اس لیے ہیں کہ مسلسل نماز کے تقاضوں سے غافل نہ رہیں۔ ہمیں اپنے خالق کی عبادت اور اس کی نعمتوں کی تعریف و تحسین کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

(2۔ رحم دلی اور انسانی بھلائی)

ہم خود کو پاک دامن رکھتے ہوئے نہ صرف اپنے لیے بھلائی کرتے ہیں، بلکہ اپنے بھائی بندوں پر رحم کرتے ہوئے اُن کی بھی مدد اور حفاظت کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر دیکھی جانے والی خرابی کی بنیاد پر کسی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا دراصل انسانی نفسیات سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر ذہانت سے کام لیتے ہوئے بہ غور مشاہدہ کیا جائے تو پاک دامنی اور رحم دلی سے ذہن کو ایک خاص نوعیت کا توازن اور ہم آہنگی حاصل ہوتی ہے۔

(3۔ عبادت سے ریاضت)

یہ توازن انسان کو ذہنی طور پر ایک خاص کیفیتِ نماز سے سرشار کردیتا ہے۔ اکثر تو عبادت میں حمدِ خداوندی کے ساتھ ساتھ ضبطِ نفس کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ کوئی بھی ناپاک شخص نماز نہیں پڑھ سکتا۔ بندے کو نماز کی ادائیگی کے لیے ذہنی اور بدنی طور پر مکمل پاکیزگی کے ساتھ کھڑے ہونا ہوتا ہے۔ دن میں پانچ بار بندہ (جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے) اللہ کی توحید اور انسانوں کی اجتماعی بھائی بندی کا پختہ اظہار کرتا ہے۔ دن میں پانچ بار انسان تمام مخلوقات کو سلامتی پر مبنی دعائیں دیتا ہے۔ ہر روز پانچ دفعہ انسان بدی سے بچاؤ کے لیے دعا کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اس کی زندگی صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہر ہر دن پانچ پانچ مرتبہ انسان اللہ کی ساری مخلوق کے لیے فضل و کرم کی دعائیں کرتا ہے۔ بالخصوص اس عظیم رسولِ خدا ﷺ کے لیے درود و سلام بھیجتا ہے کہ جس نے اسے اس عظیم سچائی کی یاددہانی کروائی۔

(4۔ اخوت اور انسانی بھائی چارہ)

قانون کی پابندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے انسان کو ہر ناشائستہ اور گری ہوئی حرکت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اسے تو بُرائی کی ظاہری شباہت اور موقع و محل سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ اسے نہ صرف خود ہر وقت پاکیزگی اختیار کیے رہنا چاہیے، بلکہ اسے کسی دوسرے کو بھی اپنے بارے میں غیر پاکیزہ اور بدگمانی کے خیالات کا موقع دینے سے بچنا چاہیے۔ دوسرے انسان سے بدگمانی رکھنا کسی معاشرے کے لیے سرطان (کینسر) کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ہر خوب صورتی اور پاکیزگی کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ یہ انسانی بھائی چارے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی کی زندگی توحیدِ خداوندی اور اخوتِ انسانی کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ ان دو سچائیوں کے رُخ پر وہ اپنے جیون اور اپنی سوچوں کا قبلہ درست کرتا رہتا ہے۔ اس عمل کے دوران وہ اپنا

www.rahmia.org

تزکیہ کرتا ہے، اس تربیت کی وَجہ سے اس کی معنوی شخصیت اور مادی جسم دونوں بالیدگی حاصل کرتے ہیں۔

(5۔ عفت وعصمت اور نکاح کی ضرورت)

مردوں اور عورتوں کو ایسا چلن اختیار کرنا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی جنسی حسیات کو نہ اُبھاریں۔ (نہ ان کا انکار ہی کریں، کیوں کہ) ان حسیات کا انکار تو خود زندگی کا انکار ہے۔ ایک معمول کی انسانی شخصیت رکھنے والا کامیاب مرد یا عورت ہمیشہ اپنی حسیات پر قابو پا لیتا ہے۔ دانش مند لوگ ایک منصفانہ توازن قائم رکھتے ہیں۔ ذہنی وجسمانی عفت کے ذریعے سے ایک صحت مند معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ تمام تر خوبی کا مرکز ہمیشہ ذہنِ انسانی ہی ہوتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے اصول وضوابط کچھ اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ عائلی زندگی انسانی امکان کی حد تک ہر پہلو سے مکمل رہے۔

ہر رُکنِ خاندان (اور ہر فردِ معاشرہ) کے شخصی وقار کو قائم رکھا جاتا ہے اور اس پر زور بھی دیا جاتا ہے۔ جنت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو رکھی ہی ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے کی مشق تو کسی ضرورت مثلاً تجرد کی مجبوری کے تحت ہی کی جاتی ہے۔ یعنی غربت کی وَجہ سے شادی اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں۔ ورنہ عام زندگی میں تو انسان خود کو (شادی اور نکاح کے ذریعے سے) مقامِ عفت پر قائم رکھتا ہے، نہ کہ سِرے سے جنسی خواہشات کو ختم کرے۔ نکاح کے ذریعے سے حاصل ہونے والی عفت؛ بدنی صحت اور ذہنی جوش وخروش کی تعمیر کرتی ہے۔ جناب رسالت مآب سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔

فرقہ وارانہ تعصب کے زہر سے لکھی گئی جدید تاریخ اگرچہ اسے جھٹلانے کی کوشش کرتی ہے، لیکن (جناب) محمد ﷺ کی زندگی کے واقعات تاریخی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ آپؐ ایک مثالی شخصیت ہیں۔ اسلام میں شادی ذہنی سکون میں ترقی کے لیے کی جاتی ہے، جو کہ خاندانی اور نتیجتاً سماجی زندگی کی بنیاد ہے۔ اگر مرد وعورت کو ایک دوسرے کے بغیر خود اختیار کردہ عصمت کی حفاظت پر مجبور کیا جائے تو اُن کا ذہنی سکون قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ ہمارے جدید دور کی زندگی کے چلن نے زوردار طریقے سے ثابت بھی کر دیا ہے۔ (عیسائی پادریوں میں) زبردستی کی عصمت کا نتیجہ اور ردِعمل دراصل ایک غیر متوازن اباحیت (چھوٹ) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہماری آج کی انسانی تاریخ اس کو مکمل طور پر ثابت کر چکی ہے۔[22] غیر طبعی طرزِ زندگی کی ترویج انسانی بھائی بندی کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی وَجہ سے شراب کی ممانعت کی گئی ہے۔ انسان کو ہمہ وقت اپنے حواس پر مکمل قابو رکھنا چاہیے، تاکہ سوچ صحت مند اور زندگی پاکیزہ رہے۔

اعمالِ زیست میں پہلا قدم پاکیزگی کا اٹھتا ہے۔ یہ ذہنی سکون کو ترقی دیتا ہے، جس کے ساتھ انسان نماز یعنی اللہ کے سامنے عجز وانکساری اور خشوع وخضوع کا اہل ہو جاتا ہے اور پاکیزگی ہی کے ذریعے معروضیت کو موضوعیت یعنی داخلیت پسندی پر اثر انداز ہونے کی طاقت ملتی ہے۔ داخلیت اور موضوعیت پر قابو پا لینے کے بعد ہی ہم باطنی قوت پر اختیار حاصل کر پاتے ہیں، جو ہمیں شعورِ ارفع (Super Conscious) تک رسائی بخشتا ہے، یعنی سعادت کے بلند ترین درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

(6۔ فرض عبادات اور نظم وضبط)

ہر دور میں عبادت انسانی جبلت کا حصہ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سخت پریشانی یا پُرمسرت کے لمحات میں یہ انسان کے تحت

www.rahimia.org

الشعور سے پھوٹتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ: ''یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے۔''(23)

قرآن پاک میں ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ: ''کوئی مصیبت نہیں آتی، مگر اللہ کی طرف سے اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، تو اس کے دل کو سیدھی راہ سمجھائی جاتی ہے۔ اور اللہ تمام اشیا سے باخبر ہے۔''(24)

جبلی طور پر بے ساختہ کی جانے والی غیر منظّم عبادت' فرض نمازوں سے مختلف ہوتی ہے۔ فرض اور مقررہ نمازیں انسانی ذہن کو منظّم کرتی ہیں۔ یہی عادت پختہ ہو کر انسانی قلب میں درست ہدایت قبول کرنے کا ملکہ پیدا کر دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرشتے ہمہ وقت اللہ کی پرستش اور اس کی تسبیح و تحمید کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔

انسان کو اس مادی دنیا میں دوسرے فرائض بھی ادا کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ زمین میں ہل جوتنا، کپڑا بننا، بچے پالنا وغیرہ ایسے فرائض ہیں کہ انسان کے پاس کُل وقتی عبادت اور حمد و ثنا کی گنجائش نہیں رہتی۔ دیگر خیالات اس کے شعور پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اسے حکم ہے کہ وہ اپنی تمام ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کے نام پر، اسی کی رضا کے حصول کی نیت سے سرانجام دے۔ اور اسے پابند کیا گیا ہے کہ شعوری طور پر عائد کردہ پانچ وقت کی مقررہ نماز باجماعت ادا کرے۔ ان پنج وقتہ نمازوں کے نظام الاوقات روشنی اور آفتاب کے طلوع و غروب اور رات دن کی تبدیلیوں کے مطابق متعین کیے گئے ہیں۔

(7۔ ذکر اللہ کی عادت)

فطرت بار بار انسان کو اس کے خالق کی یاد دلاتی ہے۔ (چناں چہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:)

''یقیناً تمھارا پالنے والا اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ مرحلوں (Six Periods) میں پیدا کیا۔ اور تمام معاملات کے چلانے میں وہ اپنی طاقت و اقتدار کے ساتھ مستحکم ہے۔ کسی کی طرف سے کوئی شفاعت اس کے حضور نہیں ہو سکتی، مگر اس کی اجازت سے۔ یہ ہے اللہ، تمھارا ربّ۔ اس لیے اسی کی بندگی کرو۔ پھر کیا تم پوری طرح یقین نہیں کرو گے کہ تم سب کو اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

یقیناً وہی اوّل مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ ایمان لانے والوں اور عملی ذمہ داریاں نبھانے والے لوگوں کو عدل و انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں، انھیں پینے کو گرم پانی دیا جائے گا، اور ان کے انکار کے سبب دردناک عذاب بھی دیا جائے گا۔ وہی تو ہے، جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو منور فرمایا۔ اور چاند کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کا شمار کرو اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی نشانیاں انھیں لوگوں کو پر ظاہر کرتا ہے، جو علم رکھتے ہیں۔

بے شک رات دن کے آنے جانے اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں چیزیں پیدا کی ہیں، ان سب میں ایسے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں اور دلائل ہیں، جو برائیوں سے بچتے ہیں۔ بے شک جو لوگ مرنے کے بعد ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور اپنی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہیں اور وہ بھی جو ہمارے پیغامات کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتے، ان کی ان بداعمالیوں کے نتیجے میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''(25)

چنانچہ دن اور رات کے بدلتے اوقات میں ہمیں مقررہ فرض نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز باجماعت انسان کے لیے ایک

www.rahimia.org

یاد دہانی کا کام کرتی ہے۔

''تم سب کا پیدا کرنا اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ایک شخص کا پیدا کرنا، بے شک اللہ خوب سنتا اور خوب دیکھنے والا ہے۔''(26)

(8۔فرض نمازوں کے فوائد اور ثمرات)

مسلمان پر لازم ہے کہ رات اور دن کے ہر لمحے میں اللہ کی توحید اور انسانوں کے درمیان بھائی چارے کو ذہن میں تازہ رکھے۔ اس طرح فرض نمازیں انسان کے ذہن کو منظّم کرتی ہیں، وہ اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل کر اللہ کی توحید کا اقرار کرتا ہے۔ امیر اور غریب، شاہ اور فقیر نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے خالق کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس تذلّل (عاجزی) اور اتحادِ عملی کے ساتھ ان کے دل و دماغ اور زبان یکسو ہو کر ایک آواز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پکارتے ہیں۔

نفسیات کے پہلو سے باجماعت فرض نمازوں کے علاوہ خاموش عبادت میں بھی ایک بڑا سبق موجود ہے۔ (اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے:)

''بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔''(27)

یہ فرض نمازوں کا نظام ہی ہے، جو انسانی ذہن کو نماز کی عادت پر پختہ کرتا ہے۔ یہی نظم انسانی ذہن کو کثرت کے ساتھ اللہ کی یاد کے لیے تیار کرتا ہے۔ منظّم ذہن انسان کو درحقیقت تقویٰ کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ یہ ذہن کو تصوف کے راستے کی باطنی تسکین پر یکسوئی سے چلنے کی اہلیت عطا کر دیتا ہے۔ ٹھیک اذان (نماز کے لیے پکار) سے لے کر نماز کے اختتام پر سب کے لیے امن و سلامتی کی دعا یعنی سلام پھیرنے تک فرض نماز انسان کے ذہن و شعور میں یہ حقیقت پختہ کرتی ہے کہ:

- ☆ خدا سب سے بڑا ہے۔ خدا ایک ہے، تمام حمد و ثنا اور عبادات کا مستحق صرف خدا ہی ہے، فقط خدا ہی کے پاس انسان کے لیے جائے پناہ ہے۔
- ☆ خدا انسان کی دعائیں سنتا ہے۔ خدا نے اُن لوگوں پر انعام کیا ہے اور کرتا رہے گا، جو سچائی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ کہ بندے کی تمام سوچیں، اعمال اور مال و متاع خدا ہی (کی رضا کے حصول) کے لیے ہیں کہ اسی کی خدمت میں خرچ کی جائیں اور یہ کہ انسان ہر لمحہ اپنی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کے لیے خدا کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔
- ☆ انسان ازخود کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ مشیتِ الٰہی اور قانونِ خداوندی کی فرماں برداری کے ساتھ ہی وہ ترقی اور نشو و نما حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ذمہ داری ہے کہ کُل انسانیت کی خدمت کرے اور نسلِ انسانی کے لیے نظامِ امن کے قیام کی جدوجہد کرے۔
- ☆ انسان پیغمبر ﷺ کی بیعتِ سمع و طاعت کا پابند ہے، جو کہ یہ (یاد دہانی) لے کر آئے ہیں۔ اور انھی کی تعلیمات کے

www.rahimia.org

مطابق 'عبادتِ خداوندی' اور اللہ کو راضی کرنے کی خاطر 'خدمتِ انسانیت' آپس میں اس طرح پیوست اور گُندھے ہوئے ہیں کہ انسان جان لیتا ہے کہ یہی دو اعمال ہیں کہ جن کے ذریعے وہ خود اپنی ذات کے لیے ترقیٔ درجات کا مستحق ہوسکتا ہے۔ ہر دن میں پانچ بار بندہ اس عظیم صداقت کا اقرار کرتا ہے اور یوں اسے یہ یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ اپنی ذات کے لیے اور اپنے بھائی کے لیے اس کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔

☆ لفظ 'اللہ اکبر' سے اسے خوب ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ خدا تصور اور اظہار و بیان سے ماورا ہے، بلکہ وہ یہ بھی یقین کر لیتا ہے کہ خدا سب کی سنتا ہے، سب کو دیکھتا ہے اور سب جانتا ہے۔ خدا بندہ کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ انسان جب نماز سے اٹھتا ہے تو ایک یقین اور طمانیت کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اسے ایک یقینی عملی ذمہ داری — اپنے بھائی کی خدمت — کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اسلام عمل کی دعوت دیتا ہے۔ ایک پختہ سوچ اور یقینی عمل کی دعوت۔ یہ واضح راہِ عمل ہی ہے، جو طمانیت کا احساس بخشتی ہے۔ یہی وہ طمانیت ہے کہ جس کے ذریعے انسان تصوف کی راہ پر چل سکتا ہے۔ لیکن کسی بھی ایسے شخص کو سچا صوفی نہیں مانا جاسکتا، جو خود تو کھانے پینے اور سونے کا شعور رکھتا ہو، لیکن اللہ اور اپنے بھائی بندوں (انسانوں) کے حقوق کی بابت اپنی ذمہ داری کو بھول جائے۔

(9۔ عدل وانصاف)

(قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کے لیے پوری دیانت داری کے ساتھ سچ کی گواہی دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کی نفرت یا دشمنی تمھیں آمادہ کردے کہ تم بے انصافی کرنے لگو۔ عدل کرو کہ وہی تقویٰ کے قریب ہے۔ اور اللہ کی طرف سے عائدہ کردہ فریضے کے بارے میں احتیاط برتو۔ یقیناً اللہ ہر اُس عمل سے باخبر ہے، جو تم کرتے ہو۔''(28)

'عدل' — خواہ کسی بھی قیمت پر ہو۔ 'عدل' ہی ایک متوازن زندگی اور سوچ کا ثمرہ ہے۔ عدل ہی درست حسِ امتیاز کا ماحصل ہے۔ درست حسِ امتیاز عملِ صالح (درست عمل) سے اور اپنی سوچ کو مکمل طور پر منظم اور یکسو رکھنے کے لیے مسلسل جدوجہد اور مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانی سماج کی مشین عدل کے تیل پر چلتی ہے۔

انسان کی حقیقی اخوت اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مکمل سچائی پر مبنی درست سوچ اور اس کے مطابق عمل کے بغیر معاشرے کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک ترقی پذیر زندگی کی مضبوط بنیاد ہے۔ سچائی ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور انسان اسی ماحول سے تعامل کرتا ہے۔ یہی فطرت کی نفسیات ہے۔ اسلام کا مقصد ایک فطری، زندہ اور طاقت ور انسانی برادری کی تعمیر ہے۔

حقیقی افزائش کا لازمی مفہوم بہرصورت اجتماعی نشو و نما ہی ہے۔ (اس لیے کہ:)

''بنی نوعِ انسان کی روح اپنے دور کے (حالات کے) مطابق اس کی قسمت کی تشکیل کرتی ہے۔''(29)

جدید دور میں ہم سب نفسیاتی علاج معالجے کے لیے بھاگے پھرتے ہیں۔ اسلام آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی اس لازمی سائنس کے اصول طے کرنے کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو چکا ہے۔ عدل ہی وہ بہترین بندوبست ہے، جو ہمارے اجتماعی شعور کی

www.rahimia.org

تشکیل کرتا ہے۔

10۔شجاعت (اور اللہ پر اعتماد)

سچی شجاعت اللہ کی مشیت پر یقینِ کامل سے آتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہے اور یہ کہ خدا شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ اسلام میں 'شجاعت' طمانیت اور توازن کے ساتھ باہم ایسے گُندھی ہوئی ہے کہ خارج کی بڑی سے بڑی بربادیاں مسلمان کے ارادے کو متزلزل نہیں کرسکتیں۔ وہ نہایت سکون اور شعوری خود سپردگی کے ساتھ الٰہی مشیت اور قانون کے آگے سرِ نیاز خم کر دیتا ہے۔ شجاعت کبھی سِفلہ پن اور پست ذہنیت کو قریب نہیں آنے دیتی، بلکہ یہ فیاضی اور اعتدال پسندی کا نام ہے۔ شجاعت ایک خاص تربیت اور تزکیے کے ذریعے مسلمان کی شخصیت میں پُرسکون رہنے کی عادت پیدا کرتی ہے۔

ماضی کی جنگوں میں ایک بڑی جنگ کا واقعہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے داماد سیّدنا علی المرتضیٰ (کرّم اللہ وجہہٗ) نے گھمسان کی لڑائی کے دوران شدید مقابلے کے بعد ایک طاقت ور دشمن کو زمین پر گرا دیا۔ اپنے چت لیٹے طاقت ور دشمن کو تلوار کے ایک آخری وار سے موت کے گھاٹ اُتارنے ہی والے تھے کہ اُس جری دشمن نے علیؓ کے چہرے پر تھوک دیا۔ پلک جھپکنے میں علیؓ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اور وہ مغلوب دشمن اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب دشمن آزاد تھا اور حیران و ششدر۔ اُس کی نظریں علیؓ کے چہرے پر گڑی تھیں۔ ''یہ کیا ہے؟'' اُس نے ہانپتے ہوئے علیؓ سے سوال کیا۔ ''چند ہی لمحے قبل میں 'حق' کے لیے لڑ رہا تھا۔ اب مجھے ڈر ہوا کہ میں ذاتی جذبے کے تحت لڑ رہا ہوں۔'' حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ وہ جری دشمن صداقت کی قوت کے آگے زیر ہوگیا۔ ''میں اسلام قبول کرتا ہوں۔'' وہ چلّایا۔ اب وہ بالکل بھی دشمن نہ رہا تھا، بلکہ ایک بھائی بن چکا تھا۔ عظیم انسانی برادری کا ایک فرد۔

شجاعت کا معیار یہ ہے کہ مکمل طور پر پُرسکون اور انتقامی جذبے سے پاک رہے۔ حقیقی شجاعت کی تعمیر 'ذات' کی نفی سے ہوتی ہے۔ اللہ کی مشیت کے آگے اور قانونِ فطرت کے سامنے طویل اور مسلسل نیازمندانہ سپردگی کی مشق سے اس میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ 'شجاعت' خوب سمجھتی ہے کہ بسا اوقات اُس کی بلند ترین قوت کا راز 'قدم اٹھانے' کے بجائے 'پُرسکون رہنے' میں مضمر ہوتا ہے۔ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ نتیجتاً ایک مسلمان کی شجاعت قابو میں رہتی ہے۔ یہ (شجاعت کی) ایک سادہ سی قسم ہے۔

(11۔صبرِ نفس اور شادی خانہ آبادی)

شجاعت کی اصل تربیت 'صبر' کی تعلیم گاہ میں ہوتی ہے۔ برداشت اور صبر کی مشق کے ساتھ انسان میں انکساری اور معاف کردینے کی طاقت بڑھتی ہے۔ یہی صبرِ نفس انسانی جذبات میں عفت اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ شادی کے عائلی معاملات میں جذباتی عفت کا خوب امتحان ہوتا ہے۔ یہ تو آسان ہے کہ کسی جھونپڑی کی خلوت میں اور لوگوں سے کٹ کر خاموش اور پُرسکون رہ لیا جائے، لیکن مسلمان عملی طور پر سماجی زندگی کی راہ پر چلتے ہوئے زندگی کی کامیابی کے ہدف کی طرف بڑھتا ہے۔ خدا نے کائنات بنائی تو زندگی کو جوڑے کی صورت میں بنایا۔ زندگی کو خدا نے جس انداز میں تشکیل دیا ہے، وہ توازن رکھتی ہے۔ یہ تو انسان ہی ہے، جو انتہاؤں کی طرف دوڑتا ہے۔ مسلمان کا راستہ میانہ روی کا ہے۔ توازن اور اعتدال کا راستہ۔

وہ نکاح اور شادی کرتا ہے، لیکن اس کے ذریعے سے اپنی عصمت کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ بچے پیدا کرتا ہے، لیکن انسانی

www.rahimia.org

بھائی چارے کے اصول کو قائم رکھتا ہے۔ یہ گھر ہی ہے، جہاں وہ تمام نیکیوں کو سیکھتا اور اُن پر عمل کرتا ہے، اس طرح سیکھ کر وہ بڑی دنیا کو برائیوں سے آزاد کرا سکتا ہے۔

اسلام میں شادی ذہنی آسودگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہی تو وہ ٹھکانہ ہے، جہاں خاندان کی تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس ٹھکانے پر ازدواجی تعلقات سچائی کے ساتھ آگے نہ بڑھ سکیں اور فطری تعلق مضبوط نہ ہو پائے تو طلاق کی اجازت موجود ہے، لیکن نرمی اور حسنِ معاملہ کے ساتھ، نہ کہ نفرت اور بدنیتی سے۔ عائلی بندھن کو قائم رکھنے کی ہر کوشش اگر ناکام ہوجائے اور شادی شدہ جوڑا جو کہ عائلی زندگی کا محور ہے، باہم اعتماد اور تعلقات کو متوازن بنانے کو ممکن نہ بنا پائے، تب انھیں اختیار ہے کہ الگ ہوجائیں۔ اور دوسری جگہ شادی کر کے اپنا گھر نئے سِرے سے بسا لیں، جہاں پر اُن کے لیے باہمی ہم آہنگی کے ساتھ (ایک خاندان کی) افزائش ممکن ہو سکے۔ یہ یاد رکھنا پڑتا ہے کہ (ارشادِ ربانی ہے:)

''ہم جو تم کو کھلاتے ہیں، سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو، نہ تم سے ہم چاہیں گے بدلہ اور نہ چاہیں گے شکرگزاری۔''[30]

(12۔ انسانی ہمدردی اور سخاوت)

لیکن اسلام میں سخاوت محض دولت تقسیم کرنے تک محدود نہیں ہے۔ یہ تو دوسرے انسانوں سے محبت کی مشق ہے۔ (قرآن حکیم کے مطابق) سخاوت کا تقاضا ہے کہ:

(۱) انسان جب کسی کو قرض دے تو اس سے سود نہ لے۔[31]

(۲) جھوٹی گواہی نہ دے۔[32]

(۳) اور جب ایسی جگہوں سے گزر ہو، جہاں لغویات ہوں تو بزرگوں کی طرح وقار کے ساتھ گزرے۔[33]

(۴) دوسروں پر الزام تراشی اور انھیں بدنام کرنے سے پرہیز کرے۔[34]

(۵) بدگمانی اور غیبت سے بچے اور لڑائی جھگڑے سے گریز کرے۔[35]

(۶) انسان کو یہ تنبیہ بھی کی جاتی ہے کہ وہ نہ تو دوسروں پر ہنسے، نہ ان کے نام بگاڑے۔[36]

(۷) بندے کو اس پر بھی خبردار کیا جاتا ہے کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرے۔[37]

(۸) اور لوگوں سے نفرت کے ساتھ منہ نہ پھیر لیا کرو۔ اور نہ ہی زمین میں اودھم مچاتے پھرا کرو۔[38]

سخاوت تو گھر سے شروع ہوتی ہے

انسان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو 'اُف' تک بھی کہے۔ اسے ان کے ساتھ محبت و رأفت اور ذمہ داری سے پیش آنا چاہیے۔[39] اسے اپنی بیوی، اپنے بچوں اور اپنے خدام کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کرنا چاہیے۔ اسے حسبِ ضرورت اپنے قریبی رشتہ داروں کی مالی کفالت بھی کرنی چاہیے۔ خیرات اور نیکی کی بنیادیں گھر سے ہی ڈالی جاتی ہیں۔ پھر یہ پھیلتی ہیں۔ اور آہستہ آہستہ پورے معاشرے کو اپنے نظام میں شامل کر لیتی ہیں۔ خیرات اور نیکی یقینی طور پر اور واضح انداز میں مہربانی اور نظم و ضبط پر قائم ہوتی ہے، جیسا کہ راستے سے کانٹے پتھر وغیرہ ہٹا دینا۔ اپنی جمع پونجی میں سے کسی کو دینا یا عملی طور پر کسی کی مدد کرنے پر

www.rahimia.org

توانائی خرچ کرنا۔ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک شخص سے فرمایا کہ:

''اگر آدمی کچھ اَور استطاعت اور سکت نہ رکھتا ہو تو محبت کے دو بول، سلام یا مسکراہٹ ہی پیش کر دے۔ یہ بھی صدقہ ہے۔''

اسلام میں محبت محض جذباتی بیماری کی نوعیت نہیں رکھتی، بلکہ یہ عملی سرگرمیوں کے لیے بہت قوت اور طاقت کا سامان ہوتی ہے۔

13۔ روزہ (اور ضبطِ نفس)

صوم یا روزہ اور حج بیت اللہ کا نظم وضبط انسان میں برداشت اور صبر و استقامت لاتا ہے۔ روزہ ایسی عبادت ہے، جس کے ذریعے انسان روحانی سلوک طے کرتا ہے۔ حج اس کے برعکس جسمانی مشقت اور روحانی ترقی کے ذریعے انسان کا تزکیہ کرتا ہے۔ یوں جسمانی اور روحانی طور پر بدن اور ذہن دونوں کا تزکیہ ہوتا ہے۔ جو اگرچہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن ان کا باہمی عمل اور تعامل ایک دوسرے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ روزے کے عمل سے انسان کا ذہن اللہ کی رضا کی طلب میں بھوک، پیاس اور تقویٰ اختیار کرتا ہے، جس سے اس میں برداشت اور صبر و استقامت کے اَخلاق ترقی کرتے ہیں۔ نتیجتاً راہِ سلوک پر اس کا تعامل جاری ہو جاتا ہے۔

روزے سے دردمندی پیدا ہوتی ہے

امیروں کے دل میں غریبوں کے لیے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ سال بھر جن خوش حال لوگوں کو بھوک پیاس سے واسطہ نہیں پڑتا، اب وہ ماہِ صیام (رمضان المبارک) میں (خستہ حالوں کی) بھوک پیاس کا درد محسوس کرتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کے کام اس ماہِ صیام میں بہت زیادہ ہونے لگتے ہیں۔ روزہ انسان میں برداشت اور تحمل پیدا کرتا ہے اور اسے تیار کرتا ہے کہ اپنی قسمت کے پہیے میں تبدیلی لائے۔ اسے اس کے لیے بھی تیار کرتا ہے کہ زندگی میں جب کبھی اور جیسی بھی صورتِ حال پیش آ جائے پوری مضبوطی اور استقامت کے ساتھ زندگی کی سختیوں اور مشکلات کا سامنا کر سکے۔ اس مہینے کو ماہِ رمضان کہتے ہیں۔ یہ ماہِ رمضان ہی تھا کہ جس میں نزولِ قرآن مجید کا آغاز ہوا۔ روزہ انسان کو اپنے اندر جھانکنے اور باطنی مرکزِ توحید سے ربط پیدا کرنے کے لیے بھی تیار کرتا ہے۔

14۔ حجِ بیت اللہ: انسان کا سفرِ حج خارج میں قائم مرکزِ توحید کی طرف

یہ مرکز پہلے انسان جناب آدم (علیہ السلام) نے اُس ذاتِ واحد و یکتا کی عبادت کے لیے قائم کیا تھا، تا کہ اس کے نتیجے میں انسان کے اندر فطری انسانی اخوت کا احساس بیدار ہو سکے۔ جناب ابراہیم (علیہ السلام) نے اسے نئے سِرے سے تعمیر فرمایا۔ پھر دوبارہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تعمیر کیا۔ اس عبادتِ حج کے دوران نسلِ انسانی ایک ہی جیسا لباس پہنتی ہے۔ اور ایک ہی زبان بولتے ہوئے ایک آواز میں پکارتی ہے: ''لبّیک اللّٰھمّ لبّیک.''

جرمن ہو، فرنچ ہو، یا فرنگی، ہندوستانی یا جاپانی، چینی، یونانی، اطالوی، مشرقی اور مغربی، غرض یہ کہ زبان، نسل اور جنس سب ایک واحد جذبہ محبت میں ضم ہو کر خود کو ذاتِ الٰہی کی توحید میں ضم کر دیتے ہیں۔ اُس ذاتِ 'واحد' کی محبت میں انسان اپنی بیوی کے

برابر کھڑا ہوتا ہے اور اپنی انسانی محبت کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ کبھی اسے اس سے نفرت تھی۔ اس کا شعور اس ذاتِ 'واحد' میں ضم ہوجاتا ہے۔ یہ خارج میں راہِ طریقت ہے، جیسا کہ روزہ داخلی سلوک کی راہ نوردی ہے، تصوف کے نصب العین کی جانب، جو کہ انسانی زندگی کا حقیقی ہدف ہے۔ لیکن حج کی مشق تمام نیکیوں اور عبادات کی جامع ہے، جس میں عفت و پاکیزگی، نماز، صدقہ خیرات، شجاعت و حوصلہ مندی، برداشت، عاجزی وانکساری، استقلال، سخاوت، عفو و درگزر، بھائی چارہ، صبر و استقامت، قناعت اور عدالت سب آجاتی ہیں، جو بالآخر محبت کے قلبی واردات پر منتج ہوتی ہیں۔

حجِ بیت اللہ: محبوب کے ساتھ ہم آہنگی

یہ انسان کا زندگی بھر کا سفر ہے ایک بہت ہی چھوٹے پیمانے پر۔ یہ ایک طرح سے (عرش پر موجود) بیت المعمور کی جانب زندگی کے اُس عظیم سفرِ زیارت کی یاددہانی ہے۔ اور ایک مثال ہے کہ محبت اور عشق سے بھرپور اس سفرِ زیست میں زائرِ حج کو کیسے قدم بہ قدم آگے بڑھنا ہے۔ بندہ اس سفرِ حج سے لوٹتا ہے تو اَور زیادہ شان دار طریقے سے اپنے اعمال کو سرانجام دیتا ہے، تاکہ اُس 'یومِ وصال' (یوم الحشر) کی بھرپور تیاری ہوسکے۔ فکر و عمل کی دُوئی مٹ جاتی ہے۔ ہمیں عادات و اعمال کے ذریعے ایسی تعلیم و تربیت سے گزرنا ہوتا ہے کہ جس کے نتیجے میں ایک توازن کے ساتھ فکر و عمل کی وحدت قائم رہتی ہے۔

(علم کی دریافت فکر و عمل کی یکجائی سے ہوتی ہے)

ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ انسان علم کو تخلیق نہیں کرسکتا۔ علم تو محض دریافت کیا جاسکتا ہے۔ کشفِ علم یا حجابات کا اٹھ جانا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب کہ مستقلاً فکر و عمل میں کامل ہم آہنگی قائم ہوجائے۔ عملی کام پر زور دیا جاتا ہے۔ عملی کام ہی انسان کے ذہن کو پاک اور منزہ کرتا ہے۔ وہ ذہن جو کہ دراصل روح کا آئینہ ہوتا ہے، روح، قلب، دماغ اور جسم کی ایک خاص توازن کے ساتھ ترقی ہی نوعِ انسان کی کل فطری کہانی ہے۔

سِسرو (قدیم رومی مفکر) کا کہنا تھا: ''عوام کا تحفظ ہی سب سے بالا قانون ہوگا۔'' عوام کا تحفظ اس 'کُل' کی ایک توازن کے ساتھ مجموعی ترقی میں مضمر ہے۔ ایک خالق، ایک مخلوق۔ خواہی و نہ خواہی مخلوق اپنے خالق کے قانون کی اتباع کرتی ہے۔ کوئی بھی قانونِ فطرت سے باہر نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی راہِ فرار ممکن ہوسکتی تو کوئی قانون یا نظام باقی نہ رہتا۔ نتیجتاً ذہن، قلب اور جسم اس دانش مندانہ اطاعت سے ہی ذہنی ترقی اور روحانی نشو و نما پاتے ہیں، جو بندوں کو مشیتِ ایزدی کے مقدس نظام سے ہم آہنگ کردیتی ہے۔

ہر عمل کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ روایت اور جذبہ گزرے دنوں کی گہرائی میں رہ کر بھی ایک مکمل مستقبل کی نقشہ گری کر رہے ہوتے ہیں۔ رونے دھونے یا شکوہ و شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ یہ سب کچھ اسی ذاتِ واجب الوجود کی مقرر کردہ تقدیر ہے کہ جس سے سب کا وجود وابستہ ہے۔ انسان کی جدوجہد کے لیے یہ کوئی ایسا ناممکن الحصول ہدف بھی نہیں، بلکہ ایک قابلِ عمل نشانِ منزل ہے کہ جس کے مطابق عملی زندگی گزاری جاتی رہی ہے۔

(حضرت محمد ﷺ کی ذات ایک کامیاب اسوۂ حسنہ)

وہ عظیم مُذ ّکر کہ جن کا نامِ نامی 'محمد' ﷺ ہے، وہی یہ عظیم سچائی لے کر آئے ہیں۔ انھی کی ذاتِ گرامی میں ہمیں ایک مکمل

اور کامیاب اسوۂ حسنہ (کامیاب زندگی کا نمونہ) میسر ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر چالیس برس تک کی زندگی گزار لینے کے بعد آپؐ اس قابل ہو چکے تھے کہ مقاصدِ نبوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آپؐ کو مشیتِ الٰہی کا ایک سچا ذریعہ بنا دیا جائے۔ چالیس سے ساٹھ برس کی عمر تک آپؐ نے عملی طور پر اس سچائی کو ثابت کر دکھایا، جو کہ آپؐ پر القا کی گئی تھی۔ آپؐ کی دعوت اور محنت نے تیئس برس میں انفرادی اور اجتماعی طور پر تمام قوم میں ایسا زبردست انقلاب پیدا کر دیا، جو ماضی اور حال کی تاریخ کے تمام انقلابات پر حاوی ہونے کا ریکارڈ قائم کر چکا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اسلام کے تقاضوں کو پوری طرح عمل میں لایا جاتا رہا، مسلم معاشروں کے افراد اور اقوام نے تمام دیگر ادوار کے مقابلے میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ آج ہم ایک بار پھر اس کو سچ ثابت کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم قانونِ الٰہی کو اپنی زندگی کا لائحۂ عمل بنانے کی تکلیف گوارا کر لیں۔ انسانیت کے لیے اس نظام کی بہترین افادیت کو ہم انفرادی اور قومی سطح پر بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ قانون فردِ معاشرہ کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور قوم کی بھی (گویا اسلام فرد اور قوم میں سے کسی بھی اکائی کو نہ تو نظر انداز کرتا ہے، نہ اس کا انکار کرتا ہے۔ مترجم)

ایک خدا۔ ایک قانون۔ یعنی اُس ذات واجب الوجود کا قانون کہ جس سے سب کچھ قائم ہے۔ اسی کے تحت انسانی بساط اور فطرت کے عین مطابق انسانی معاشرے کی تشکیل اور ترتیب کے لیے عبادات اور معاملات و اَخلاق کا عملی نظام دینِ اسلام کی خصوصیت ہے، جو ہر لحاظ سے قابلِ عمل اور نتیجہ خیز ہے۔ جب کہ محض خیالی طور پر قائم کیے گئے ناممکن الحصول اہداف منافقت اور جھوٹی اقدار کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ کیوں کہ شاعری اور تخیلات کو اگر عقل کی میزان پر پرکھ کر توازن اور اعتدال میں نہ رکھا جائے تو یہی تخیلات جنونی حالت اور دماغی عدمِ توازن کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس عقل کبھی انسان کو جنونی جنگوں کی طرف نہیں لے کر گئی ہے۔

تاریخِ انسانی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں جب بھی کبھی لوگوں پر بربادی اور نفرت کا دورہ پڑا ہے، تو ایسا عام طور پر کسی من گھڑت تخیلاتی عقیدے کے تحت، کسی معجزاتی طاقت یا کسی فرعونی خدائی کے زُعم کی وجہ سے ہوا ہے۔ انسانی صنم گری (یا انسانوں کو خدا ماننے) نے انسانی معاشروں میں جنونی نفرتوں کو جنم دیا ہے۔ اس سے خانوادۂ بنوآدم میں تقسیم پیدا ہوتی رہی ہے۔ اسی سے حسد اور رقابت نے جنم لیا ہے۔ ذاتی طور پر بھی اور قومی سطح پر بھی۔

دنیا کے پاس معقول اور زندگی گزارنے کے قابل مثالی نصب العین کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ جیسے ہی انسان کسی دوسرے انسان کی اُلوہیت کو قبول کرتا ہے کہ تو بدی یا پھر شیطان کو اس بات کا موقع مل جاتا ہے کہ وہ مسخ شدہ اذہان کی کھوکھلی تصور کاریوں کے ساتھ اپنا کھیل جما لے۔ حرص اور برائی عدمِ توازن اور منافقت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

قدیم رومی کہاوت ہے کہ: ''جب دیوتاؤں نے کسی کو برباد کرنا ہوتا ہے تو اُسے پہلے پاگل کر دیتے ہیں۔''

یہ انسان کا غیر متوازن اور حد سے زیادہ تخیلاتی ذہن ہی ہے جو شیطان یا بدی کے زیرِ اثر پہلے ان دیوتاؤں کی تخلیق کرتا ہے۔ اور پھر ان من گھڑت دیوتاؤں کی تصوراتی تخلیق کے بعد ایسے لوگ خود اپنے ہی ان گمراہ کن اور پاگل بنا دینے والے تصورات و تخیلات کے تعامل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ پاگل کر دینے والی حبِ جاہ ہے جو یہ سب کچھ کرواتی ہے۔ تکبر نے ہی ابلیس کو ذلیل

www.rahimia.org

کروایا تھا (تکبر عزازیل را خوار کرد)۔ اور تکبر سے ہی انسان کو زوال آتا ہے۔

(اسلام: ایک آفاقی دین اور فطری مذہب)

اسلام ایک آفاقی دین ہے۔ خالق پر ایمان اور انسانی بھائی چارے کا عقیدہ کوئی پیچیدہ نظامِ اعتقادات نہیں ہے۔ یہ انتہائی فطری مذہب ہے۔ یہ زندگی کے 'فطری نصب العین کے حصول کی خاطر عمل' کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اسی زمین پر جنت کی سی سلطنت کے قیام کے لیے جدوجہد کی دعوت دیتا ہے:

☆ الٰہی قانون اور نظام کی سلطنت۔ کوئی انسان کا خود ساختہ مذہب نہیں۔

☆ شیخی باز اور دماغی خلل پر مبنی کوئی کھوکھلا فلسفہ دنیا میں توازن کو واپس نہیں لاسکتا۔

☆ ہمیں مشیتِ ایزدی یعنی خالقِ کائنات کے ہمیشہ سے جاری و ساری منصوبے اور فطری قوانین کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنا ہوگا۔

☆ اللہ فرماتا ہے کہ: 'ہوجا' اور وہ ہوجاتا ہے۔

☆ ہم اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں منظّم راستہ موجود ہے۔ قرآن پاک انھی سے مخاطب ہوتا ہے، جو سمجھتے ہیں اور اُن سے بھی جو غور کرتے ہیں۔ یہ اندھے اعتقاد پر نہیں بلاتا۔ نہ ہی یہ کسی اَور ناممکن راستے پر چلنے کو کہتا ہے۔

صوفی کے لیے تو یہ راہ کشش رکھتی ہے، کیوں کہ یہ بھرپور طور پر رنگین اور شان دار ہے۔ یہ قرآن پاک کی تعلیمات پر گہرے غور و خوض سے نظر آتی ہے۔ اسی کی پیروی پیغمبر ﷺ نے کی اور اسی کی تعلیمات کے مطابق آپؐ نے تمام عملی زندگی گزاری۔

یہی سچی راہِ اعتدال ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ ایڈورڈ سوئم جنوری 1327ء سے اپنی وفات جون 1377ء تک انگلستان کا بادشاہ اور آئرلینڈ کا نواب رہا۔ وہ اپنی فوجی مہموں اور شاہی اتھارٹی کو بحال کرنے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

2۔ ایلینور آف قسطیلیہ شاہِ برطانیہ ایڈورڈ اوّل کی بیوی تھی۔ یہ نومبر 1290ء میں فوت ہوئی۔

3۔ نووگوروڈ (روس) کا شہزادہ ولادی میر اعظم 980ء تا جولائی 1015ء تک خیوا کا حکمران رہا۔

4۔ کنگ لوئیXIII ' 1610ء تا 1620ء فرانس کا بادشاہ رہا۔

5۔ سینٹ تھامس مُور انگریز وکیل، سماجی فلسفی، مصنف، سیاسی مدبر اور تحریکِ احیائے علوم کے دور کا انسان دوست (Humanist) تھا۔ یہ بادشاہ ہنری ہشتم کی کونسل کا ممبر تھا اور 1529ء تا 1532ء انگلینڈ کا لارڈ چانسلر بھی رہا۔

6۔ Urban Dictionary کے مطابق کوئل کو کَکیُو کہتے ہیں، جو Cuckoo کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ چودہ برس سے کم عمر بھولے بھالے لڑکے یا لڑکی یا احمق شخص کو بھی کَکیُو کہتے ہیں، یعنی ایسا شخص جسے خود سے کچھ سمجھ نہیں ہوتی۔ اسے ہر بات بتانی پڑتی ہے۔

www.rahmia.org

7۔ آرتھوڈوکس چرچ کیتھولک عیسائی فرقوں میں سے دوسرا بڑا فرقہ ہے۔ یہ لوگ مسیحی عقیدۂ تثلیث یعنی ''ایک میں تین اور تین میں ایک'' کے قائل ہیں، جس کے ماننے والے دنیا بھر کے کئی ممالک میں کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں۔

8۔ ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) وکٹورین دور کا انگریز فلسفی ماہر حیاتیات، حیوانیات، سماجیات اور معروف کلاسیکی سیاسی نظریہ ساز تھا۔ یہ 27/اپریل 1820ء کو ڈاربی یو کے میں پیدا ہوا۔ اور 8/دسمبر 1903ء کو برائٹن یو کے میں فوت ہوا۔

9۔ آلڈس لیونالڈو ہکسلے انگریز فلسفی، ماہر تعلیمات اور مصنف تھا جو 26/جولائی 1894ء کو گوڈالمنگ، سرے، انگلینڈ میں پیدا ہوا اور 22/نومبر 1963ء کو لاس اینجلیز، کیلیفورنیا، ریاست ہائے متحدہ امریکا میں فوت ہوا۔ اس کی تصانیف میں افسانے، ناول، متفرق موضوعات پر مضامین مثلاً شعر و ادب و فلسفہ شامل ہیں۔(www.britanica.com>biography)

10۔ بلائیز پاسکل ایک فرانسیسی ریاضی دان، ماہر طبیعیات، مصنف اور کیتھولک عالم دین تھا۔ بچپن سے ہی بڑا ہونہار تھا۔ پاسکل 19/جون 1623ء کو کلیر ماؤنٹ فرانڈ (فرانس) میں ایک ٹیکس کلیکٹر کے گھر پیدا ہوا اور 19/اگست 1662ء کو پیرس میں فوت ہوا۔ پاسکل وجودی فلسفے پر یقین رکھتا تھا اور مسیحیت کا زبردست دفاع کرتا تھا۔ (انٹرنیٹ انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی)

11۔ بینیڈکٹ (براش سپنوزا) پرتگیزی سفارڈی نسل سے تھا۔ یہ ڈچ یہودی فلسفی 24/نومبر 1632ء کو ایمسٹرڈیم نیدرلینڈز میں پیدا ہوا اور 21/فروری 1677ء کو ہیگ، نیدرلینڈز میں وفات پائی۔ تحریکِ روشن خیالی اور جدید تنقیدِ بائبل کی بنیادیں ڈالنے کے علاوہ انفس و آفاق پر جدید نظریات پیش کرنے کی وجہ سے اسے سترہویں صدی کے بڑے تعقل پسندوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمہ اوست اور مظاہر پرستی کے علاوہ اخلاقیات پر بھی اس نے بہت کام کیا ہے۔(www.britanica.com/Benedict de Spinoza)

12۔ 'المورا' (Almora) بھارت کا کوہِ ہمالہ پر واقع ایک قدیم شہر جو پہلے اُترپردیش کا حصہ تھا اور آج کل ہمالیائی ریاست اُتراکھنڈ کے کماؤں ڈویژن میں ضلعی صدر مقام ہے، جو سطح سمندر سے 1636 میٹر بلند ہے اور دلی سے 415 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے راجہ کلیان چند نے 1568ء میں آباد کیا تھا، البتہ یہاں کی پہاڑیوں پر آباد انسانی بستیوں کا ذکر مہابھارت میں ملتا ہے۔ 'چند' خاندان کے راجے المورا شہر کے صدر مقام سے کماؤں کی راجدھانی پر حکومت کرتے تھے، جسے اُتراکھنڈ کے ثقافتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شہر ہندو مذہب کی تعلیم و تربیت کا ہمیشہ سے مرکز رہا ہے۔ یہاں بہت سے ہندو آشرم ویدانت فلاسفی کی تعلیم دیتے ہیں۔

13۔ یہ لائبریری کلکتہ میں 1895ء میں ہندو مذہب کے رہنماؤں نے قائم کی تھی۔ ہندو مذہب کے رہنماؤں نے مقالہ نگار سے قرآن پاک کا یہ نسخہ لے کر اپنی اس لائبریری کا حصہ بنا دیا۔

14۔ یہاں مقالہ نگار کے ذہن میں زندگی کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات، خیالات، سوالات اور اُن کے خیالی جوابات پر مبنی ملے جلے مکالمے ہیں۔ راہِ حق کی تلاش میں سرگرداں رہنے والے اکثر ذہین لوگ ایسے ہی ذہنی سفر سے گزرتے رہے ہیں۔

15۔ یہاں مقالہ نگار نے قدیم ویدانت کے اس تصور کی طرف اشارہ ہے، جس کے مطابق انسانی دماغ کائنات کی مرکزی قوتِ نمو و حیات سے وابستہ سمجھا جاتا تھا، جو اس دھرتی پر حیات اور اُس کے سرچشموں کا محافظ مانا جاتا تھا۔ غالباً ویدانت میں انسانی دماغ کو اُس عظیم وجودِ حقیقی کے دماغ کا پرتو مانا جاتا تھا۔ (مترجم)

16۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون. القرآن 156:2

17۔ یہاں مصنفہ نے تصوف کی اصطلاح ''مُوتُوا قبل أن تمُوتُوا'' (طبعی طور پر مرنے سے پہلے اختیاری موت قبول کرو) کی ہے، یعنی اپنی خواہشات ولذات اور مادی مفادات کو اعلیٰ مقاصد پر قربان کردو۔

18۔ القرآن: 9:46۔

19۔ القرآن: 42:41۔

20۔ القرآن 67-68:18

21۔ القرآن 91:23۔

22۔ مسیحی دنیا میں مذہبی خدمات انجام دینے والے پادری، راہب، راہبائیں اور دیگر کلیسائی عہدے داروں پر شادی نہ کرنے اور جنسی خواہشات سے دور رہنے کی پابندی عائد کی گئی ہے۔ لیکن یہ پابندی فطرت کے خلاف ہے۔ چنانچہ بااختیار کلیسائی عہدے داروں کی طرف سے مجبور اور بے بس ماتحتوں، بچوں اور ننوں و راہباؤں کو جبر اور زور و زبردستی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ تقدس اور خوف کا استعمال کرتے ہوئے انھیں خاموش رہنے پر بھی مجبور کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں کیتھولک مسیحی چرچ میں بچوں اور راہباؤں کے جنسی استحصال کے سلسلے میں کئی سکینڈلز سامنے آئے ہیں اور ایسے واقعات کے خلاف بڑے پیمانے پر آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ خود پاپائے روم فرانسس نے ویٹی کن مسیحی چرچ اور اُس کے تحت دنیا بھر میں مسیحی مشنوں میں ہونے والی جنسی زیادتیوں کے خلاف تحقیقات شروع کروانے کا اعلان کیا ہے۔ اور بچے بچیوں کی معصومیت کو پامال کرنے والے مسیحی مذہبی عہدے داروں کی مذمت کرتے ہوئے انھیں شیطان کے چیلے قرار دیا ہے۔ (مترجم)

23۔ القرآن 156:2۔

24۔ القرآن 11:64۔

25۔ القرآن 3-8:10۔

26۔ القرآن 28:31۔

27۔ القرآن 190-91:3۔

28۔ القرآن 9:5۔

29۔ مقالہ نگار نے اس عبارت کو انورٹڈ قوماز میں تحریر کیا ہے۔ شاید یہ کسی کتاب یا کسی مفکر کا قول ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔

30۔ القرآن 9:76۔

31۔ القرآن 130:3۔

32۔ القرآن 135:4

33۔ القرآن 72:25۔

34۔ القرآن 11:49

35۔ القرآن 12:49

36۔ القرآن 11:49

37۔ القرآن 11:17

38۔ القرآن 18:31

39۔ القرآن 23-24:17

☆

www.rahimia.org

شخصیات

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
شخصیت اور فکر

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری 1926ء اپنے آبائی وطن گمتھلہ ضلع کرنال (متحدہ ہندوستان) میں مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ (1905ء-1992ء) کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ وقت ہے کہ خانقاہِ عالیہ رحیمیہ کے بانی مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (1853ء-1919ء) کے وصال کو قریب سات سال گزر چکے تھے اور خانقاہِ رائے پور کی مسند پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (1873ء-1962ء) رونق افروز تھے۔ چوں کہ آپؒ کے والد حضرت رائے پوری ثانیؒ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے تھے، اس لیے آپؒ کا نام بھی انھوں نے ''سعید احمد'' تجویز کیا۔ آپؒ اپنے نام کی طرح سعید (مبارک) تھے، گویا اسم بامسمّٰی تھے۔ (1)

آپؒ کے والدِ محترم مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ ایک طرف تو دین کی جامعیت کے حامل بزرگ تھے تو دوسری طرف انھوں نے حلال رزق کے حصول کے لیے زراعت کا شغل بھی اپنا رکھا تھا۔ اور اپنی آبائی زمینوں پر کاشت کاری سے حاصل ہونے والی رقم اپنے اور اپنی اولاد پر خرچ کرتے تھے۔ مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی صلاحیتوں کو پرکھتے ہوئے ان کے شیخ اور والدِ گرامی کی خصوصی توجہات نے جہاں انھیں ولی اللّٰہی فکر کے فروغ کے لیے تیار کیا، وہاں اس خطے میں بسنے والے کسانوں، کاشت کاروں اور مزدوروں کے حقیقی مسائل کا ادراک بھی ان میں پیدا کیا، جو بعد میں ان کی فکر کا ایک جزو بن گیا۔

آپؒ کے بچپن کے ابتدائی پانچ سال اپنے آبائی گاؤں ''گمتھلہ'' میں گزرے، البتہ کبھی کبھار والدہ کے ہمراہ ننھیالی گاؤں ''سکروڈھ'' (تحصیل رڑکی، ضلع سہارن پور) بھی تشریف لے جاتے رہے۔ تاہم والدہ کے انتقال کے بعد آپؒ کے والد آپؒ کو خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور لے آئے۔ کیوں کہ ان کا زیادہ وقت اسی خانقاہ میں گزرتا تھا۔ اللہ کی حکمت کہ ایک طرف تو والدہ کا سایہ شفقت اٹھا تو دوسری طرف اس کے نعم البدل کے طور پر والد محترم کے ساتھ حضرت رائے پوری ثانیؒ کی مستقل صحبت اور شفقت نصیب ہوئی، جس نے آپؒ کے فکر و عمل اور شخصیت پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔

گمتھلہ اور سکروڈھ میں ابتدائی تعلیم کے مراحل سے گزر کر آپؒ براہِ راست حضرت رائے پوری ثانیؒ کی نگرانی و سرپرستی میں خانقاہِ رائے پور تشریف لے آئے۔ یہاں پر آپؒ نے اپنے والدِ محترم سمیت جید اساتذۂ کرام سے درسی کتب پڑھیں۔ (2)

www.rahimia.org

''حزب الانصار'' میں شمولیت

ولی اللّٰہی جماعت کے تیسرے دور میں حضرت مولانا محمود حسنؒ (1920ء، برصغیر کی آزادی کی تحریک ریشمی رومال کے بانی تھے، جس کی بنا پر کل ہند خلافت کمیٹی نے انھیں ''شیخ الہند'' کا لقب دیا تھا۔) نے نوجوانوں میں کام کرنے اور عصری و دینی علوم کے حاملین میں اشتراکِ فکر و عمل کی جو پالیسی اپنائی تھی، وہ جاری تھی۔ ۱۳۴۵ھ/ 1927ء میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944ء) سے خصوصی ملاقات کی۔ مولانا سندھیؒ ان دنوں استخلاصِ وطن کی جدوجہد کے سبب مکہ مکرمہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ مولانا سندھیؒ نے مولانا رائے پوریؒ سے نوجوانوں میں کام کرنے کے حوالے سے ولی اللّٰہی جماعت کی پالیسی کی عملی تشکیل کے حوالے سے بات کی۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ نے اس کام کے لیے واپس آکر میدان ہموار کیا، حتیٰ کہ ''حزب الانصار'' کے نام سے نوجوانوں کی ایک سیاسی تبلیغی جماعت ۱۳۵۷ھ /1939ء میں رائے پور ہی میں قائم کی، جس کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ (شاگرد مولانا سندھیؒ) بنائے گئے۔ (3)

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ جو کہ ابھی نوعمر طالب علم تھے، انھوں نے ایک کارکن کی حیثیت سے اس جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ ''حزب الانصار'' کے اغراض و مقاصد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد نوجوانوں میں دین کی جامعیت کا فہم و شعور پیدا کرنا اور اس حوالے سے عملی جدوجہد میں حصہ لینا تھا۔ اس جماعت میں شمولیت نے آپؒ میں سیاست کا عمدہ ذوق اور ولی اللّٰہی فلاسفی کی عملی و عصری تطبیق کے حوالے سے سماجی زندگی کا گہرا شعور پیدا کیا۔ اور آپؒ میں قومی بنیادوں پر جدوجہد کی انقلابی سوچ پیدا ہوئی، جس نے مستقبل کے حوالے سے آپؒ کا راہِ عمل متعیّن کردیا۔ چناں چہ نوجوانوں میں کام کرنے کے حوالے سے بعد میں آپؒ نے جو حکمتِ عملی اختیار کی اور جس کے لیے تمام عمر جدوجہد کرتے رہے، وہ ''حزب الانصار'' کے اغراض و مقاصد سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ ''حزب الانصار'' کے ساتھ ساتھ آپؒ نے 1946ء کے الیکشن میں جمعیت علما کے لیے بھی بھرپور جدوجہد کی۔ (4)

درسِ نظامی کی تکمیل

آپؒ نے ''جلالین'' تک درسِ نظامی کی کتب مدرسہ فیضِ ہدایت رائے پور میں رہ کر پڑھیں۔ اسی دوران ۱۳۶۶ھ /1947ء میں برصغیر تقسیم ہو کر پاکستان کی مملکت وجود میں آئی اور آپؒ کے والدِ محترم، اپنے شیخ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے حکم پر پاکستان تشریف لے آئے۔ تاہم مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، حضرت رائے پوری ثانیؒ کی خدمت میں رہے، جن کا ارادہ یہ تھا کہ ان کے درسِ نظامی کے تکمیل کے آخری دوسال مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں مکمل ہوں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں تعلیم کے آغاز کے بعد آپؒ کے استادِ محترم، مفتی سعید احمد صاحب (صدر مفتی مظاہر العلوم) آپؒ کے والد کے نام ایک مکتوب گرامی لکھتے ہیں کہ:

''عزیز سعید احمد اس ماہ میں مدرسے میں داخل ہوگئے ہیں۔ مشکوٰۃ، ہدایہ، جلالین میں شریک ہیں۔ ماشاء اللہ اسم بامسمّٰی اور ہونہار بچہ ہے۔''(5)

www.rahimia.org

مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم کے دوران آپؒ کا قیام و طعام مدرسے کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے گھر پر رہا۔

حضرت رائے پوری ثانیؒ کی تربیت میں

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپؒ اپنے مرشد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے پاس واپس رائے پور تشریف لے آئے۔ شوال ۱۳۶۸ھ/ اگست 1949ء میں عیدالفطر کے بعد آپؒ کے استاد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ رائے پور آئے اور حضرت رائے پوری ثانیؒ سے عرض کیا کہ: ''مولوی سعید احمد کو مزید ایک سال کے لیے مجھے دے دیں، تاکہ تکمیل (منطق، فلسفہ وغیرہ علوم) میں وقت لگائیں۔'' اس پر حضرتؒ نے فرمایا:

''ہم نے جتنا اپنے برخوردار مولوی سعید احمد کو پڑھانا تھا، پڑھا لیا۔ اس سے آگے نہیں پڑھانا۔ ہم نے کوئی اسے محض مدرس نہیں بنانا ہے۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد حضرت رائے پوری ثانیؒ نے مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو اپنی طرف مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎ (6)

پڑھ پڑھ ہوئے پتھر ، لکھ لکھ ہوئے چور
جس پڑھنے سے مولیٰ ملے ، وہ پڑھنا کچھ اَور

بہر حال یوں آپؒ کی ظاہری تعلیم کے بعد حضرت رائے پوری ثانیؒ کی زیرِ سرپرستی باطنی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ اور 1949ء تا 1950ء سلوک کی تکمیل کی اور یوں ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم، یعنی تزکیۂ نفس اور اس کے ساتھ ساتھ ولی اللّٰہی فکر کو بھی مکمل اخذ کیا۔ اگرچہ سلسلۂ رائے پور کے معمولات آپؒ نے بہت پہلے سے شروع کر رکھے تھے، لیکن فراغت کے بعد آپؒ نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا وقت مسلسل حضرت رائے پوری ثانیؒ کی صحبت اور اذکار کی مداومت میں گزارا۔

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ قادریہ رائے پور عرفِ عام میں خانقاہ تھی، جہاں ذکرِ الٰہی کے زمزمے بلند ہوتے تھے، مگر حقیقت میں وہ اتباعِ شریعت کو انسانی قالب سے قلب تک منتقل کرنے کی تربیت گاہ بھی تھی اور معاشرے پر مسلط انگریز سامراج کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ذہنوں کو جلا دینے والا متحرک مرکز بھی تھا۔ جہاں آزادی خواہ شخصیات جمع ہوتیں اور شیخِ طریقت کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت اور اجتماعی شعور سے بھی فیض یاب ہوتیں۔ اس خانقاہ میں ذکرِ خداوندی کی صدائیں، روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ انسانی سماج کے فرعونوں اور قارونوں کے خلاف حق کی بالادستی کی دعوت بھی دیتی تھیں۔ خانقاہ میں سیاسی امور پر گفتگو کو روحانیت کے لیے مضر تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ شیخِ طریقت کے ہاں ملک میں آزادی کی جدوجہد اور انگریز کے جانے کے بعد کے نظام کی تشکیل کے بارے میں گہرا غور و خوض پایا جاتا تھا اور وہ لوگوں کی اَخلاقی تربیت اور روحانی اخلاص کے فروغ کے لیے معاشرتی امن، سیاسی استحکام اور معاشی عدل کو ناگزیر تصور کرتے تھے۔

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو اپنے شیخ کی روحانی و احسانی خلافت کے ساتھ ساتھ شعوری بصیرت اور اجتماعی دانائی کے منصب کی قائدانہ نمائندگی حاصل بھی ہوئی، جس کو خانقاہ کے روح پرور، بصیرت افروز اور شعور انگیز ماحول سے جلا ملی۔ جہاں اس

www.rahimia.org

دور کی علمی اور سیاسی قیادت آ کر شیخِ طریقت سے رہنمائی حاصل کرتی۔ یہ رہنمائی محض دعاؤں کے حصول تک محدود نہیں تھی، بلکہ شیخِ طریقت کی علمی و سیاسی امور میں سرگرم رہنمائی ان کی عملی سرگرمیوں کا رخ متعین کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی، حتیٰ کہ سیاسی رہنماؤں کی پالیسیوں میں خلا کی نشان دہی کر کے ان کو مطلوبہ اقدامات کی طرف بھی متوجہ کرتی تھی۔ خانقاہ کے اس ماحول میں شریعت، طریقت اور سیاست کے دینی شعبے آپس میں اس طرح پیوستہ تھے کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چناں چہ خانقاہ میں آنے والا کوئی فرد روحانیت کے ماحول میں سیاست کو اجنبی تصور کرنے کا خیال بھی زبان پر لاتا تو شیخِ طریقت شعوری طور پر سیاسی گفتگو میں دلچسپی لے کر اس پر اس خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے کردار کو واضح کرتے اور یوں سیاست کے غیر دینی ہونے کی سوچ اپنی جگہ مرجھا کر رہ جاتی۔

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو خانقاہ میں اعلیٰ درجے کی علمی، روحانی اور سیاسی قیادت کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس قیادت کو انھوں نے اپنے شیخ سے تبادلۂ خیالات کرتے اور ان کی صحبت و بصیرت سے استفادہ کرتے پایا۔ یہ اپنے دور کی چنیدہ قیادت تھی۔ اس کا ایک ایک فرد بڑے بڑے اجتماعات اور جماعتوں پر بھاری تھا، جن کی شبانہ روز مساعی کے بغیر برِعظیم کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کی منزل سے کوسوں دور تھا۔ یہ وہ شخصیات تھیں، جو ایک طرف حصولِ آزادی کے لیے شعلۂ جوالہ تھیں تو دوسری طرف عصری تقاضوں کی شناور بھی تھیں۔ ان کی نظر میں دینِ اسلام کی تعلیمات رجعت پسندی، انتہا پسندی، فرقہ واریت اور طبقاتیت پر مبنی کسی بھی فکر اور نظام کے بالمقابل ترقی پسند اور انسان دوست نظام کی نقیب ہیں۔ (7)

حضرت رائے پوری ثانیؒ کو شاہ سعید احمد رائے پوریؒ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ اگست 1947ء میں جب کہ آپؒ ابھی طالبِ علمی میں تھے، خانقاہِ رائے پور کی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور آپؒ کو حضرت رائے پوری ثانیؒ سمیت خانقاہ میں آنے والے وقت کے جید علما کی موجودگی میں امامت کا اعزاز ملا۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سمیت اپنے وقت کے جید علما نے نہ صرف آپؒ کی اقتداء میں نماز ادا کی، بلکہ جمعۃ المبارک کا خطبہ بھی سنا، جس سے آشکار ہوتا ہے کہ حضرت رائے پوری ثانیؒ سمیت ولی اللّٰہی جماعت سے منسلک ان علما کو آپؒ پر مکمل اعتماد تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن بن مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''جہاں امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا مسعود علی آزادؒ اور خود مولانا سعید احمدؒ کے والد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ جیسی شخصیات موجود ہوتیں، پھر مولانا سعید احمدؒ کو منبرِ رسول پر کھڑا کر دینا بزرگوں کی طرف سے اعزاز کے علاوہ اَور کچھ نہ تھا۔''(8)

خانقاہِ رائے پور میں امامت و خطابت کا منصب بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس خانقاہ میں شیخ کی موجودگی میں امامت کا منصب کسی اَور کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ اس خانقاہ کے مشائخ نے یہ اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی جماعت کے عمل سے اخذ کیا ہے۔ نیز وہ ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں ''امامت'' کو خلافتِ ظاہرہ و باطنہ کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس لیے آج کل جو امامت و خطابت کا حال ہے، اس پر قیاس کر کے اسے سمجھنا مشکل ہی نہیں، بلکہ کسی حد تک ناممکن بھی ہے۔ دراصل حضرت رائے پوری ثانیؒ کی بصیرت اور دور بینی تھی کہ وہ اس نوجوان پر (آپؒ کی عمر اس وقت 22 سال تھی) مکمل اعتماد کرتے ہوئے آنے والے دور

www.rahimia.org

میں ولی اللّٰہی جماعت کی امانت و سیادت کے لیے تیار کر رہے تھے۔ چناں چہ حضرت رائے پوری ثانیؒ نے شرعی علوم کے حوالے سے ایک طرف تو آپؒ کی نگرانی و سرپرستی فرمائی تو دوسری طرف طریقت اور سیاست کے حوالے سے ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں آپؒ کی تربیت فرما کر آپؒ کو ولی اللّٰہی جماعت کے تاریخی تسلسل سے منسلک کیا۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ زیارت کے لیے آنے والے علما سے فرماتے کہ: ''اس نوجوان (مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری) کی باتیں غور سے سنو۔'' چناں چہ آپؒ اپنے شیخؒ کی موجودگی میں دینِ اسلام کے عصری تقاضوں پر گفتگو فرماتے۔ (9)

اجازت وخلافت

حضرت رائے پوری ثانیؒ کو آپؒ کی استعداد اور صلاحیت پر بڑا اعتماد تھا اور اپنی مجالس میں خصوصی طور پر آپؒ کا نام لے کر تعریف و توصیف فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے آپؒ نے 1950ء میں جب کہ آپؒ کی عمر 24 سال تھی، آپؒ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ (10)

۱۳۷۰ھ/1951ء میں جب آپؒ سرگودھا (پاکستان) مستقل قیام کے لیے تشریف لے آئے تو حضرت رائے پوری ثانیؒ اپنے متعلقین بالخصوص نوجوانوں کو ان کی صحبت وتربیت میں رہنے کا کہہ کر اپنے حلقے میں ان کا اعتماد بڑھاتے رہے۔

آپؒ کو اپنے شیخ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے والہانہ محبت تھی اور ہر وقت ان کی خدمت میں موجود رہتے۔ اس خدمت نے آپؒ میں عجز وانکساری کی صفات پیدا کیں۔ آپؒ نے اپنے شیخ کی تیس سالہ رفاقت میں کوئی کام ان کی منشا کے بغیر نہیں کیا۔ پاکستان تشریف لانے کے بعد بھی آپؒ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے پاکستانی اسفار میں ہم رکاب اور ہم سفر رہے۔ ۱۳۷۲ھ/1953ء میں پاکستانی شہریت ملنے کے بعد جب پہلا پاسپورٹ ملا تو اس کے بعد رائے پور آنے جانے کا سلسلہ مستقل رہا۔ آپؒ نے تقریباً 30 سال کا عرصہ (1932ء تا 1962ء) حضرت رائے پوری ثانیؒ کی صحبت میں گزارا۔ اس پورے عرصے میں مشائخ رائے پور کے فکروعمل اور جہدوکردار کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کیا اور اسے شعوری طور پر بہ خوبی سمجھا۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ نے ولی اللّٰہی فکر کے حوالے سے نوجوانوں میں دین کا شعوری کام کرنے اور انھیں نام نہاد اسلامی جماعتوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور درست سمت پر ان کی رہنمائی کرنے کے لیے آپؒ کی تربیت فرمائی تھی اور آپؒ کو سکولز اور کالجز کے نوجوانوں میں کام کرنے کا حکم دیا تھا، جسے آپؒ نے تادمِ آخر نبھایا۔ آپؒ نے اپنے شیخؒ کے وصال (1962ء) تک اس فلسفے کو مکمل طور پر سمجھا اور اخذ کیا، نیز اپنے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس فکر کو نئی جہت دی۔ (11)

حضرت رائے پوری ثالثؒ کی خدمت میں

۱۳۸۱ھ/1962ء میں حضرت رائے پوری ثانیؒ کا وصال ہو گیا اور ان کی وصیت کے مطابق آپؒ کے والدِ گرامی مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کو خانقاہِ رائے پور کا مسند نشین بنایا گیا تو آپؒ نے ان کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ان کی صحبت میں رہ کر دین کے غلبہ کے لیے جدو جہد کی۔

حضرت رائے پوری ثانیؒ کے وصال کے بعد آپؒ نے 30 سال (1962ء تا 1992ء) اپنے والد اور مرشد مولانا شاہ

www.rahimia.org

عبدالعزیز رائے پوریؒ کی صحبت میں وقت گزارا اور ان کی رہنمائی اور مکمل سر پرستی میں ولی اللّٰہی فکر کو ایک نئے دور میں داخل کرنے اور اس فکر کی بنیاد پر اجتماعی جدوجہد کی مساعی کی۔ چناں چہ آپؒ نے اپنے دونوں شیوخ سے کامل 60 سال تک فیض پایا اور اس دوران ولی اللّٰہی جماعت کے فکر اور مشائخ رائے پور کی تربیت نے آپؒ کی ذات بابرکات کو مجسمۂ فکر و عمل اور نمونۂ جہد وکردار بنا دیا۔ آپؒ کو اپنے دونوں شیوخ کا مکمل اعتماد اور سر پرستی ہمیشہ حاصل رہی۔ (12)

آپؒ نے خالصہ کالج (فیصل آباد) میں حضرت رائے پوری ثانیؒ کے قیامِ رمضان کے دوران ان کے حکم پر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد اور دیگر عصری تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں تربیتی وفکری عمل کا آغاز کیا، جب کہ اس سے قبل گورنمنٹ کالج سرگودھا کے طلبا میں بھی آپؒ کام شروع کر چکے تھے۔

ولی اللّٰہی جماعت کے تاریخی تسلسل اور حضرت رائے پوری ثانیؒ کے حکم کی روشنی میں آپ نے 1961ء سے نوجوانوں کی فکری تربیت کے جس کام کا آغاز کیا تھا، وہ سات سال تک آپؒ کی مسلسل جدوجہد سے چلتا رہا۔ تاہم وقت آ گیا تھا کہ اس کام کو اب منظّم شکل دی جائے۔ چناں چہ آپؒ نے 12 مارچ 1967ء میں ایک تنظیم ''جمعیت طلبائے اسلام'' قائم کی جس میں مذہبی و عصری تعلیمی اداروں کے طلبا کی فکری تربیت کے کام کو تنظیمی شکل دے کر ان کے لیے سماجی جدوجہد کا ایک باقاعدہ پلیٹ فارم مہیا کیا۔

اس تنظیم کی ضرورت درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر پیش آئی:

(الف) ملک میں سیاسی جماعتیں عصری تعلیمی اداروں کے طلبا کی ذیلی تنظیمیں قائم کر کے سامراجی عزائم کے لیے انھیں استعمال کر رہی تھیں۔ ایسے میں ضرورت تھی کہ طلبا کو صحیح فکر اور نظریہ دیا جائے۔

(ب) آزادی پسند علمائے حق کے بارے میں نفرت پیدا کرنے اور نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ چناں چہ ضرورت تھی کہ نوجوانوں کو آزادی کے صحیح مفہوم اور حقیقی قائدین سے روشناس کروایا جائے۔

(ج) عصری تعلیمی اداروں کے نوجوان نام نہاد اسلامی جماعتوں اور مغرب کے تعلیم یافتہ اساتذہ کے زیر اثر تھے۔ اسی طرح سوشلزم کے مقابلے کا نام دے کر سرمایہ داری نظام کی حمایت کر کے نوجوانوں کو گمراہ کیا جا رہا تھا۔ چناں چہ ضرورت اس بات کی تھی کہ نوجوانوں کی درست سمت پر رہنمائی کر کے انھیں سامراجی مقاصد کے لیے استعمال نہ ہونے دیا جائے۔ (13)

آپؒ کسی سیاسی یا مذہبی جماعت کے کبھی باقاعدہ رکن نہیں رہے، تاہم 26/ تا 28/ ستمبر 1969ء جب سرگودھا میں ''جمعیت علمائے اسلام'' کے منشور کی تدوین کے حوالے سے اہم اجلاس ہوا تو اس کی تدوین و تشکیل میں آپؒ نے خصوصی دعوت پر نمایاں کردار ادا کیا۔ آپؒ نے اس منشور میں کسانوں، مزدوروں اور غریب لوگوں کے حقوق کے حوالے سے انقلابی دفعات شامل کرانے میں اپنا عملی وفکری تعاون پیش کیا۔ (14) یہ وہ دور تھا، جب کہ روس کے سوشلسٹ انقلاب سے متأثر ہو کر کئی سیاسی جماعتیں سوشلزم کے نعرے بلند کر رہی تھیں۔ ان میں ذوالفقار علی بھٹو کی 'پیپلز پارٹی' پاکستان کے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے سے متأثر کر رہی تھی۔ ایسے میں آپؒ نے غریب مزدور اور کسان کے حق میں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اصولی

www.rahimia.org

رہنمائی کر کے دینی شعور کے عصری تقاضوں کی نشان دہی کی۔ چناں چہ ۱۳۸۹ھ/1970ء کے الیکشن میں اس وقت کی ''جمعیت علمائے اسلام'' نے انھی انقلابی دفعات کی بنا پر نمایاں کامیابی حاصل کی اور رائے دہندگان کی تعداد کے لحاظ سے پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد ملک کے مغربی حصے (موجودہ پاکستان) میں دوسری بڑی جماعت کے طور پر اُبھر کر سامنے آئی۔

تحریکِ ختمِ نبوت میں کردار

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ دیگر اکابرینِ اسلام کی طرح ''قادیانیت'' کو انگریز سامراج کا خود کاشتہ پودا قرار دیتے تھے۔ چناں چہ آپؒ نے ''جمعیت طلبائے اسلام'' کے نوجوانوں کی سرپرستی کرتے ہوئے اس فتنے کی بیخ کنی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۳۹۳ھ/1974ء میں جب ''تحریکِ ختمِ نبوت'' اپنے زوروں پر تھی، آپؒ نے کالجز کے نوجوانوں میں اس تحریک کی اہمیت کا شعور پیدا کیا اور انھیں عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی کے ساتھ اس فتنے کے خلاف شدید مزاحمت کرنے اور علمائے حق کا ساتھ دینے کا جذبہ پیدا کیا۔ اس سلسلے میں آپؒ اور آپؒ کے نوجوان ساتھیوں کو بہت سے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا، مگر انتہائی مشقت اور تکلیف کے باوجود پورے صبر واستقامت کے ساتھ مسئلۂ ختمِ نبوت کی آئینی کامیابی میں بھرپور کردار ادا کیا۔(15)

ولی اللّٰہی فکر پر نوجوانوں کی تربیتی تنظیم کا قیام

1987ء میں جب طلبا کے ساتھ ساتھ اپنی رسمی تعلیم مکمل کر کے عملی زندگی میں داخل ہونے والے حضرات کی اجتماعیت کو ایک تشخص دینے کے لیے ایک تنظیم اور جماعت کی ضرورت پیدا ہوئی تو آپؒ نے 19/تا 21/فروری 1987ء کو ملتان میں علما اور فضلا کے ایک اجلاس میں ''تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی'' قائم کی۔ اس تنظیم نے دینی وعصری تعلیمی اداروں کے طلبا اور فاضلین کو منظّم کیا اور ان میں انسانی بنیادوں پر اجتماعی جدو جہد کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ آپؒ نے 1987ء تا 2012ء تک تقریباً 25 سالہ عرصے میں ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر قائم ہونے والی اس اجتماعیت کو انتہائی منظّم شکل دے کر ایک قابلِ ذکر کارنامہ سرانجام دیا۔ آپؒ عام علما کی روش سے ہٹ کر عوامی رابطہ بحال کرنے کے ذریعے ہر اُس شخص اور ہر اُس مقام تک پہنچے، جس سے آپؒ کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کی کچھ بھی امید تھی اور اس حوالے سے آپؒ نے اپنے خانقاہی منصب کو اپنے نصب العین میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔ آپؒ کے اس طرزِ عمل نے تنظیم کی ترقی اور وسعت پذیری میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپؒ نے تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کا نصب العین تمام شعبہ ہائے حیات میں دین کے مکمل غلبے کے ذریعے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق علمائے حق کی رہنمائی میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنا قرار دیا، اور واضح کیا کہ علمائے حق شریعت، طریقت وسیاست کی دینی جامعیت کے حامل اہلِ بصیرت وعزیمت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ، مجددینِ امت اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی نقل کردہ تعبیرِ دین کے ترجمان ہوتے ہیں۔(16)

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی مسند نشینی

خانقاہِ رائے پور کا عمومی مزاج رہا ہے کہ مسند نشینی کے حوالے سے صلاحیت، استعداد اور روحانی نسبت کو خدمت اور نسبی تعلق

www.rahimia.org

پر ہمیشہ ترجیح دی جاتی ہے۔ چناں چہ آپؒ کی مسند نشینی کے معاملے میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا گیا۔ اس وقت خانقاہ میں آپؒ سے زیادہ باصلاحیت اور جامع فرد کوئی اَور موجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا فرد موجود تھا، جس نے خانقاہ کے دو شیوخ کی 60 سالہ صحبت اٹھائی ہو اور خانقاہ کے مزاج کا رمز شناس ہو۔

چناں چہ آپؒ کے والد اور شیخِ ثانی مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے اپنی وفات سے تقریباً چار سال قبل ہی 15/ جنوری 1988ء بروز جمعۃ المبارک کو خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور (ضلع سہارن پور۔ یوپی) کی مسجد کے سامنے کے وسیع میدان میں ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں حضرت رائے پوری ثالثؒ نے بہ نفسِ نفیس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی جانشینی کا اعلان فرما دیا تھا۔(17)

خانقاہی معمولات

آپؒ کا معمول تھا کہ رات کے پچھلے پہر اٹھ جاتے اور طہارت و وضو سے فارغ ہو کر تہجد کے نوافل میں مشغول ہو جاتے تھے۔ صبح صادق کے بعد نمازِ فجر کی سنتیں ادا کرتے۔ سنتوں کی ادائیگی کے بعد نماز باجماعت سے قبل اجتماعی ذکر ہوتا اور خانقاہ اللہ کے نام کی صداؤں اور ذکر کی آوازوں سے گونج جاتی۔ نمازِ فجر کے بعد چائے آجاتی، جو تمام حاضرین نوش فرماتے۔ اس دوران آپؒ دینی مسائل اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ و تجزیہ بھی فرماتے رہتے۔ بعد ازاں سیر کے لیے تشریف لے جاتے اور حاضرین بھی آپؒ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ واپسی پر آرام فرماتے۔ 10 بجے کھانا تناول فرماتے، جو عموماً نہایت سادہ اور بالعموم دال روٹی ہوتی تھی۔ یہی وقت بالعموم باہر کے لوگوں کے آنے کا ہوتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر نشست ہوتی، جس میں اخبارات و جرائد کی خبروں پر تبصرے ہوتے اور آپؒ حاضرین کی اس حوالے سے درست سمت میں رہنمائی اور تربیت فرماتے۔ ریڈیو سے مخصوص اوقات کی خبریں بھی بڑے معمول سے سنتے تھے۔ حالاتِ حاضرہ سے ہمیشہ باخبر رہتے اور اپنے متوسلین کو باخبر رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمود الحسن عارف لکھتے ہیں کہ:

> ''بہت عرصے سے بڑی پابندی کے ساتھ ریڈیو پر بی بی سی کا پروگرام سنتے تھے۔ وہ مختلف دینی اور علمی جرائد کا بھی بڑی پابندی کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔''(18)

آپؒ کے بارے میں ممتاز عالمِ دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ: ''مولانا سعید احمد صاحب بی بی سی کی بخاری شریف بڑے انہماک سے سنتے ہیں۔'' بہر حال 12 بجے کے قریب آرام فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد تخلیہ میں چلے جاتے۔ عصر کی نماز سے کچھ پہلے باہر تشریف لاتے اور مہمانوں سے ملتے۔ اس دوران نمازِ عصر ادا کرتے اور حاضرین میں گھل مل جاتے اور شریعت، طریقت اور سیاست کے مختلف گوشوں پر گفتگو فرماتے اور حاضرین کے سوالات کے جواب دیتے۔ اس دوران چائے بھی پی جاتی۔ مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد نوافل اور پھر اجتماعی ذکر کا سلسلہ شروع ہو جاتا، جو عشا کی نماز سے کچھ دیر قبل ختم ہوتا۔ عشا کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر چار پانچ گھنٹے آرام فرماتے اور پھر آخری شب سے دوبارہ وہی معمول شروع ہو جاتا۔ جب تک تندرست رہے امامتِ نماز خود فرماتے رہے، لیکن بیماری کے آخری سالوں میں امامتِ نماز موجودہ مسند نشین

www.rahimia.org

مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری کے سپرد کر دی۔ (19)

آپؒ نے اپنے اکابرین کے فکر پر چلتے ہوئے ان مدارسِ دینیہ اور مراکزِ علمیہ کی ہمیشہ سرپرستی فرمائی، جو سرمایہ پرستی اور فرقہ وارانہ ماحول سے ہٹ کر مکمل یکسوئی اور کامل اخلاص و نیت سے نوجوانوں میں دینِ اسلام کی جامعیت کا بھرپور شعور بیدار کرنے کے لیے کام کر رہے تھے۔ ملک بھر میں پھیلے ہوئے تقریباً 60 کے قریب مدارس کی سرپرستی فرماتے ہوئے آپؒ نے ان کے اغراض و مقاصد، نصاب وطریقۂ تعلیم اور اہداف و مقاصد کو ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر مرتب کرنے میں رہنمائی دی۔ چناں چہ ان مدارس کا الحاق آپؒ کی سرپرستی میں قائم ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے ساتھ ہوا، جس کا قیام ۱۴۲۲ھ/2002ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کا قیام

پاکستان کے معروضی حالات میں انگریز سامراج کے نوآبادیاتی نظامِ تعلیم نے دینی اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم کے ذریعے جن مسائل کو جنم دیا، ان کے حل کے لیے ان دونوں متوازی نظام ہائے تعلیم کے مقابلے میں ایک درمیانی راستہ نکال کر درست فکری خطوط پر نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہمیشہ سے رہی، جس پر اب تک کما حقہ توجہ نہیں دی جارہی، جس کے سبب ملک میں فکری تقسیم گہری سے گہری ہوتی جارہی ہے۔ اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر آپؒ کی سرپرستی میں ۱۴۲۱ھ/2001ء میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے نام سے ادارہ قائم کیا گیا، جس کے اہداف و مقاصد درج ذیل تھے:

(الف) علوم قرآنیہ کی بنیادی اور حقیقی تعلیمات نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا۔

(ب) انسانی سماج کی تشکیل کے بنیادی علوم اور ان کے قرآنی اصول سے واقفیت بہم پہنچانا۔

(ج) علومِ قرآنیہ کی اساس پر روحانی، اخلاقی اور شعوری تربیت کا اہتمام کرنا۔ (20)

آپؒ کی زندگی میں ملک کے بڑے شہروں کراچی، سکھر، ملتان اور راولپنڈی میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے ریجنل کیمپس قائم کیے گئے اور اس ادارے کی مقبولیت کے پیشِ نظر اسے دیگر شہروں تک وسعت دینے کی مساعی جاری ہے۔

آخری لمحات

آپؒ کو ۱۴۲۳ھ/2003ء میں پہلی دفعہ دل کا عارضہ لاحق ہوا تھا، جس کے بعد معالجین نے آپؒ کو عملی سرگرمیاں محدود رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ نیز متعلقین و احباب بھی آپؒ کی مصروفیات کے حوالے سے کافی محتاط ہو گئے تھے۔ تاہم آپؒ بلند نصب العین کے لیے زندہ تھے اور اس کے حصول کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھے۔ چناں چہ آپؒ نے عملی و تنظیمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس دوران خانقاہِ عالیہ رائے پور کے متعدد اسفار کے علاوہ ۱۴۳۰ھ/2009ء میں اپنے خلفا و مجازین کے ہمراہ تیسرے حج کی سعادت حاصل کی۔ 9/ستمبر 2012ء کو آپؒ کو دوسری مرتبہ دل کا دورہ پڑا اور مرض الوفات کا آغاز ہوا۔ مرض الوفات کا یہ سلسلہ 18 روز رہا اور اس دوران آپؒ پر نماز اور ذکر و اذکار کا ذوق شوق غالب رہا اور طبیعت رضائے الٰہی کی مشتاق رہی۔ اس دوران آپؒ کے معالجین اور خادمین نے علاج و خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، نیز آپؒ کے متعلقین ہر لحظہ آپؒ کی صحت یابی کے

www.rahimia.org

لیے دعا گو رہے۔

وصال کے روز آپؒ پر استغراق کی کیفیت غالب رہی اور رضائے الٰہی اور غلبہ دین کے جذبے سے تیار کردہ جماعت کی بقاء وترقی کے لیے دعا کرتے رہے۔ بالآخر مورخہ ۸/ ذوقعدہ ۱۴۳۳ھ/ 26/ستمبر 2012ء بروز بدھ بوقت صبح 9:35، 87 سال کی عمر میں لاہور میں آپؒ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور ولی اللّٰہی جماعت کی تاریخ کا یہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

نمازِ جنازہ کا اہتمام ''ادارہ رحیمیہ'' سے متصل وارث روڈ پر وسیع میدان میں کیا گیا تھا، جہاں ملک بھر سے آئے ہوئے ہزاروں عقیدت مندوں کا مجمع آپؒ کا منتظر تھا۔ مفتی شاہ عبدالخالق آزادرائے پوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں ملک بھر سے علما و مشائخ نے شرکت کی اور تعزیت کے لیے بھی بعد میں بہت سے علما و مشائخ ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ'' میں تشریف لاتے رہے۔ ادارہ رحیمیہ کے بالمقابل ایک پلاٹ میں تدفین کی گئی، جسے بعد میں ''گلزارِ سعیدیہ رحیمیہ'' کا نام دیا گیا۔ اس موقع پر جب کہ ہزاروں کا مجمع موجود تھا، جس نے جس نظم ونسق اور ڈسپلن کا مظاہرہ کیا، وہ مثالی ہونے کے ساتھ ساتھ آپؒ کی جدو جہد کا آئینہ دار بھی تھا۔

آپؒ نے اپنی زندگی میں مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری پر اعتماد کرتے ہوئے خانقاہی امور کی ذمہ داری ان کے سپرد کردی تھی۔ بیماری کے سبب ۱۴۲۸ھ/2008ء میں ان کو اپنا امام نماز مقرر فرما کر نمازیں ادا کرتے رہے۔ نیز خانقاہِ عالیہ رائے پور (ہندوستان) کے اسفار میں ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ اس بنا پر خلفا و متعلقین کی مجلسِ شوریٰ کے باہمی اتفاق سے آپؒ کو جانشین تسلیم کرلیا گیا۔ جانشینی کی یادداشت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (خلیفہ مجاز) نے مجمع عام کے سامنے پڑھ کر سنائی۔(21)

بابصیرت شخصیت

حکمت و بصیرت میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپؒ کی گفتگو میں اس حدیثِ مبارک کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔

''اتّقوا فراسة المؤمن، فإنّه ينظر بنور الله.'' (22)

(مؤمن کی فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔)

آپؒ کا تجزیہ گہری بصیرت کا حامل ہوتا تھا۔ آپؒ غلبہ دین کے لیے سیاسی بصیرت اور روحِ عصر سے آگاہی کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ اس حوالے سے جذباتیت اور مرعوبیت سے کوسوں دور تھے اور بڑے سے بڑے مجمع سے متأثر نہیں ہوتے تھے۔ وہ نہایت گہری بصیرت رکھتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کو چند شاگرد یا مرید میسر آجائیں تو وہ بڑے بڑے منصوبے بنانے لگتا ہے اور فوراً ایک جماعت رجسٹرڈ کرا کر پریس کانفرنس کرڈالتا ہے۔ حضرتؒ اس طرح کے رومانوی ایڈوینچرز سے بہت دور تھے۔ وہ نہایت ٹھنڈے دل اور حقیقت پسندی کی نگاہ سے صورتِ حال کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور حالات سے باخبر رہتے تھے۔(23)

آپؒ ان اشخاص میں سے نہ تھے، جو ہوا کے رخ پر ہی پرواز کے عادی ہوتے ہیں، بلکہ وہ اپنی حکمت و دانائی کے باوصف

www.rahimia.org

ہوا کے مخالف اُڑنے میں زیادہ لطف محسوس کرتے تھے۔ وہ ملکی وغیر ملکی حالات و واقعات پر گہری نظر اور عمدہ تجزیہ رکھتے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ نوجوان بھی سامراج کے پروپیگنڈے سے متأثر اور مرعوب ہونے کے بجائے اپنے ذاتی تجزیے کی صلاحیت پیدا کرے اور وقتی وجذباتی حالات میں حکمت وبصیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

بعض سامراج نواز قوتوں نے بارہا کوشش کی کہ آپؒ کو اپنے مشن سے ہٹا کر ضمنی وفروعی مباحث میں اُلجھا دیں، لیکن آپؒ نے اپنے فہم وبصیرت سے ان کی یہ چالیں ناکام بنادیں۔ مولوی سعد احمد خان لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ صبح نمازِ فجر کے بعد سرکاری حلقوں میں اثر ورسوخ رکھنے والے ایک صاحب چند لوگوں کو لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں آئے۔ ....ان صاحب نے حضرت جیؒ سے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں آئین کے لیے کچھ باتیں طے کی جارہی ہیں اور اس پر انھوں نے خوب لمبی چوڑی تقریر کی۔ اور کہا کہ اس کے لیے ایک ارب روپے مختص ہیں۔ آپؒ اپنے ادارے کے مفتیانِ کرام سے کہیں کہ اس پر کام کریں۔ حضرت جیؒ نے بے ساختہ فرمایا: ''بھائی! اس کام کے لیے کراچی کے مدرسوں کے بڑے بڑے مفتی ہیں، آپؒ یہ کام اُن کے ذمے لگائیں۔ ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' ان لوگوں کے جانے کے بعد حضرت جیؒ آرام فرمانے لگے تو لیٹے لیٹے فرمایا کہ: ''بھائی! ایسے لوگ ہی دراصل جماعتوں کو اصل کام سے ہٹا کر اپنے معاوضوں کا محتاج کر دیتے ہیں۔ یہ تو خانقاہ کی اور جماعت کی برکت ہے کہ اللہ پاک ہمیں اور جماعت کو ایسے لوگوں سے بچا کر رکھتا ہے۔''(24)

صبر واستقامت

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ صبر واستقامت کے پیکر تھے۔ مشکل سے مشکل حالات اور بڑی سے بڑی مصیبت انھیں ان کے نصب العین اور مقاصد سے نہ ہٹا سکیں۔ سرمایہ پرست مذہبی طبقے کے نمائندوں نے سامراج کے آلۂ کار کے طور پر جب آپؒ کی دینی حیثیت کو مشکوک بنانے کی سعیٔ نامشکور انجام دی، اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے فتویٰ بازی کا ہتھیار استعمال کیا اور سیاسی مخالفت کی آڑ میں بعض لوگ اس مذموم سازش کا حصہ بن کر اسے مذہبی جذباتیت اور شدت پسندی کا رُخ دینا چاہتے تھے، لیکن آپؒ نے اس عملِ قبیح پر نہ صرف خود صبر وتحمل سے کام لیا، بلکہ نوجوانوں کو اشتعال اور جذباتیت سے دور رہنے اور فکر وشعور کی بنیاد پر ان حالات کا مقابلہ کرنے پر ابھارا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سامراج پسند عناصر اس طرح کی بحثوں میں اُلجھا کر انھیں ان کے اعلیٰ نصب العین اور فکر وعمل سے دور رکھنا چاہتے ہیں، لیکن وہ اس کا حصہ نہیں بنیں گے۔ سخت سے سخت اِبتلا وپریشانی میں آپؒ صبر وتحمل کا دامن نہ چھوڑتے۔ آپؒ کی زندگی مصائب وآلام سے پُر تھی، لیکن آپؒ کے چہرۂ مبارک پر کبھی اس کے آثار نہ دیکھے گئے۔ اکثر آپؒ اپنی خوب صورت مسکراہٹ اور دل کش انداز سے اپنے اندر ضبط کر لیتے اور آپؒ کے قریب رہنے والے حضرات آپؒ کی اس صفت پر بہت متعجب بھی ہوتے اور متأثر بھی۔ (25)

آپؒ ''عدمِ تشدد'' کی پالیسی کو آج کے دور کی مؤثر اور ناگزیر حکمتِ عملی قرار دیتے تھے کہ دنیا کی کئی اقوام اس کے ذریعے اپنی قومی جدو جہد میں سرخرو ہوئیں۔ اسی لیے آپؒ تشدد کی سیاست کو سامراج کا ''دوہرا وار'' قرار دیتے تھے، جس کو فروغ دے کر

www.rahimia.org

وہ ملکوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔(26)

حِلم و بُردباری

حضرتؒ کی طبیعت میں نرمی تھی، سختی نہیں تھی۔ ہر شخص آپؒ کے سامنے بلا تکلّف اپنی معروضات پیش کر سکتا تھا اور آپؒ اس کو مناسبِ حال جواب عنایت فرماتے۔ دعوتی و فکری سرگرمیوں میں بعض لوگوں کے سوالات میں تلخی آ جاتی تھی، لیکن آپؒ ان سوالات کو بڑی بُردباری اور تحمل سے سنتے اور ان کو مطمئن کرتے۔ نوجوانوں کے سوالات کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے اور انھیں زیادہ سے زیادہ سوالات کرنے پر اُبھارتے اور پھر احسن طریقے سے بات سمجھاتے تھے۔ اس ماحول میں نوجوانوں کی ذہنی وفکری صلاحیتیں نکھرتی تھیں۔(27)

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں پڑھتے ہیں کہ مدینے کی ایک گلی میں کبھی کبھار ایک مجنون خاتون اپنی لایعنی بات سنانے کے لیے آپ ﷺ کو روک لیتی اور آپ ﷺ مکمل اِنہماک سے اس خاتون کی بات نہایت تحمل سے سنتے کہ مبادا اس کا دل ٹوٹ جائے۔ ہمارے حضرتؒ کے اخلاق میں سیرتِ نبویؐ جھلکتی تھی۔

سادگی و قناعت

ولی اللّٰہی فکر کے فروغ کے لیے آپؒ نے ملک کے طول و عرض کے متواتر اسفار کیے، لیکن ان اسفار میں چند کپڑوں کے جوڑوں اور عزم و ہمت کی گٹھڑی کے سوا آپؒ کا کوئی سامان نہ ہوتا تھا۔ آج کل مذہبی شخصیات اے سی گاڑیوں اور ہوائی جہاز کے سوا سفر نہیں کرتے، لیکن برعظیم کی چند بڑی خانقاہوں میں سے ایک کے مسند نشین کے صاحبزادہ اور بعد ازاں مسند نشین ہونے کے باوجود پیدل، سائیکل پر، ویگن اور بسوں پر عام عوام کے ساتھ، حتیٰ کہ اپنی پیرانہ سالی میں بھی سفر کرتے تھے اور نوجوانوں تک اپنا پیغام پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ نوجوانوں کے ساتھ ان کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بھی چلے جاتے۔ تاہم آخری عمر میں بیماری اور پیرانہ سالی کی وَجہ سے ادارہ رحیمیہ کی گاڑی اسفار کے لیے استعمال میں رہی۔(28)

آپؒ نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔ آپؒ عیش پرستی اور آرام دہ زندگی کو پسند نہ کرتے۔ آپؒ کی رہائش، کھانا، لباس اور ضروریاتِ زندگی انتہائی سادگی لیے ہوتیں۔ آپؒ کبھی کوئی چیز ضائع نہ کرتے، بلکہ اس کو سنبھال کر رکھتے۔ تکلّف سے ہمیشہ دور رہتے اور اس کی تلقین فرماتے رہے۔ آپؒ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپؒ عام دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر وہی کھانا کھاتے جو سب کھا رہے ہوتے۔(29)

ایسا نہیں کہ حضرتؒ خاندانی و مالی اعتبار سے کمزور تھے، بلکہ آپؒ کا تعلق ایک نواب خاندان سے تھا اور تقسیم کے بعد ایک بڑا زرعی رقبہ آپؒ کے والدِ ماجد کے حصے میں آیا تھا، لیکن آپؒ کبھی بھی بالاہتمام رقبے پر تشریف نہیں لے گئے۔(30)

اجتماعیت کا غلبہ

آپؒ کی سوچ اور فکر پر اجتماعیت کا غلبہ تھا۔ ہر معاملے میں اجتماعی مفادات اور مصالح کو ترجیح دیتے اور اس کے برعکس انفرادی سوچ اور ذاتی مفادات کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپؒ ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں سوسائٹی کی اجتماعی ترقی کے لیے باہمی

www.rahimia.org

تعاون کو اساسی شرط قرار دیتے تھے، جو کہ اجتماعیت کا لازمی تقاضا ہے۔ اپنی زندگی میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (بانی خانقاہِ رحیمیہ) کی طرح اپنی کتب سمیت متعدد اشیا ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ'' کے تصرف میں دے دی تھیں، تاکہ ان سے اجتماعی طور پر فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ادارے کے جس حجرے میں مقیم رہے، اس کا باقاعدہ کرایہ ادا کرتے رہے، حال آں کہ یہ ادارہ آپؒ ہی کی محنت اور جدوجہد سے وجود میں آیا تھا۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''ایک فرد کی ذاتی محنت اگر اجتماعی سوچ سے خالی ہے تو اس سے کبھی تبدیلی نہیں آئے گی، لیکن اجتماعی فکر اور سوچ کا حامل فرد جب اجتماعی فلاح و ترقی کے اصول پر محنت کرتا ہے تو معاشرہ حقیقی تبدیلی اور انقلاب کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ انفرادی سوچ، خود پسندی پیدا کرتی ہے، جب کہ اجتماعی سوچ، انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔''

اسی اجتماعی سوچ کا اثر تھا کہ آپؒ ہر معاملے میں اپنے ساتھیوں سے مشاورت کرتے اور اجتماعی فیصلے پر عمل کرتے۔ بسا اوقات یوں ہوتا کہ آپؒ کسی مسئلے میں اپنی بصیرت کے باوصف کسی حتمی نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے تھے، لیکن اپنی جماعت کی تربیت کے نقطۂ نظر سے انھیں اس مسئلے میں غور و فکر کی دعوت دیتے۔ (31)

عبادت و ریاضت

عبادت و ریاضت میں بھی آپؒ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپؒ نے بڑے مجاہدے اور ریاضت سے اتنا بلند مقام پایا تھا۔ عبادت میں خشوع و خضوع حد درجہ تھا اور انہماک و یکسوئی سے اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے اور ہر عمل صالح میں مداومت کو پیش نظر رکھتے۔ نماز باجماعت مختصر فرماتے، لیکن نوافل میں طوالت ہوتی۔

آپؒ کے صبح و شام کے معمولات بڑے سخت تھے۔ کوئی نوجوان بھی اس طرح کے معمولات بہ مشکل ہی کر سکے۔ رات کو جب تہجد کے لیے حضرت جیؒ بیدار ہوتے تو نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر نمازِ فجر تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک تلاوت فرماتے اور تلاوت میں آواز بھی آپؒ کی اونچی ہوتی۔ کبھی کبھی کھڑے بھی ہو جاتے اور آنسو بھی جاری ہو جاتے۔ (32)

حضرتؒ عبادت و ریاضت میں اس کی روح کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ:

''عبادت؛ غرور، خود پسندی اور تکبر کے انسداد کا ذریعہ ہے اور جس عبادت میں یہ خاصیت نہیں وہ محض رسم ہے۔ اس لیے اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ ہمیں عبادت کی اصل روح حاصل ہو۔'' (33)

دل آزاری سے پرہیز

حضرتؒ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی کی دل آزاری نہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ جناب آفتاب احمد عباسی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ:

''میرا ایک ہندو دوست تھا۔ ہم حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے پاس سرگودھا گئے۔ حضرتؒ نے وہاں پر کھانے کا اہتمام کیا۔ دسترخوان پر کھانا حضرت خود لگا رہے تھے۔ مجھے ایک طرف لے جا کر پوچھا: ''یہ جو آپ کا ہندو دوست ہے، اس کے لیے میں نے سبزی پکوائی ہے، لیکن یہاں دیگر مہمان بھی ہیں جن کے لیے گوشت پکایا گیا ہے۔

www.rahimia.org

اگر اسی دستر خوان پر گوشت چنا جائے تو اس ہندو دوست کو نفرت یا کراہت تو نہیں آئے گی؟'' مجھے اس وقت بہت حیرت ہوئی کہ حضرتؒ دوسروں کے احساسات کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔''(34)

مولانا سعد احمد خاں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت جیؒ کے ساتھ ایک دعوت پر لاہور کے ایک دوست کی تقریبِ نکاح میں جانا ہوا۔ وہاں کچھ بے پردگی کا ماحول تھا۔ واپس جب تشریف لائے اور آرام کے لیے لیٹے تو فرمانے لگے کہ: ''بھائی کسی کا دل نہ ٹوٹ جائے اس لیے جانا پڑتا ہے، ورنہ ماحول کی خرابی کے اثرات کافی دیر تک دل پر رہتے ہیں۔'' اور فرمایا کہ: ''ہمارا مقصد تو حوصلہ افزائی ہوتا ہے، کیوں کہ لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں، کہیں ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔'' (35)

ظرافت و بذلہ سنجی

آپؒ کی طبیعت میں شگفتگی تھی اور آپؒ کی اس صفت سے نوجوان بہت مانوس تھے۔ طویل اسفار، بیماری و نقاہت، بڑھاپے کی تکالیف اور مسائل بھی آپؒ کی شگفتگی اور لطیف حسِ مزاح کو ختم نہ کر سکے۔ خشک سے خشک موضوع ان کی شخصیت کی تروتازگی سے کھل جاتا تھا۔ وہ زندگی سے بھرپور تھے۔ آپؒ اپنی مجلس میں کبھی بوریت پیدا نہ ہونے دیتے۔ آپؒ کا کمال تھا کہ گفتگو کے درمیان ماحول کے مطابق اس میں چھوٹی چھوٹی مزاحیہ باتیں کرتے کہ مجلس کے شرکا متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اس لیے نوجوان آپؒ کے قریب آ کر سکون محسوس کرتا۔ آپؒ کے اس وصف کی وجہ سے باشعور نوجوان آپؒ کی مجلس میں گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے رہتے اور آپؒ ان سے بڑے نرم اور ملائم انداز سے چھوٹے چھوٹے جملوں سے اور اپنے مزاحیہ کلمات سے مجلس کو متوجہ رکھتے اور اس طرح نوجوان کے ذہن میں نظریہ و فکر اور عقل و شعور منتقل کرتے۔ (36)

مولانا رائے پوریؒ کی فکری خصوصیات

1۔ انسان دوستی

تاریخ شاہد ہے کہ برعظیم میں اسلام صوفیا کی انسان دوستی کی بدولت برگ و بار لایا۔ ان صوفیا نے گروہی تقسیم سے بالاتر ہو کر محض انسانیت کی بنیاد پر دین اسلام کے فروغ میں کردار ادا کیا۔ آپؒ اسی انسان دوستی کی صفت سے مرصع تھے اور ان کا فکر و فلسفہ اسی کے گرد گھومتا تھا۔ ان کی مجالس میں بیٹھنے سے گروہی تقسیم کے سامراجی عزائم سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور انسان دوستی کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ انسان دوستی کا لازمی نتیجہ ہے کہ سماج میں موجود انسان دشمن عناصر کے خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا ہو۔ چناں چہ اُن کے مطابق جب معاشروں پر زوال آتا ہے تو ان میں سے اجتماعی انسانی سوچ ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام اور انسان دوستی لازم و ملزوم ہیں، اس بنا پر ایک مسلمان اگر بنیادی حقوق کے حوالے سے انسانیت کے بجائے گروہی مفادات کو ترجیح دے تو اسے اپنے مسلمان ہونے پر ازسرِنو غور کرنا چاہیے۔ (37)

آپؒ کا نظریۂ انسانیت' قرآن کریم کی ان آیات کی اساس پر تھا، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوڑے سے پیدا کیے گئے ہو۔ چناں چہ آپؒ انسانیت کی بھلائی اور اجتماعی ترقی کی بات کرتے تھے اور اس حوالے سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ جو

www.rahimia.org

لوگ ظلم کے سرپرست اور دنیا پر ظلم کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کا تعلق خواہ کسی دین اور مذہب سے ہو، وہ انسانیت کی اجتماعی ترقی میں رکاوٹ اور کل انسانیت کے دشمن ہیں۔ حضرتؒ ہمیشہ انسان دوستی اور باہمی اشتراک وعمل کی بات کرتے تھے اور اپنی زندگی اس کام میں لگا دی۔ خود فرماتے تھے کہ:

''اللہ ربُّ العزت اس انسان کو عزیز رکھتے ہیں، جو مخلوق کے ساتھ اَخلاق سے پیش آئے، مخلوق کے ساتھ اس کو ہمدردی پیدا ہوجائے، مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ اس میں پیدا ہو جائے۔ گویا دینِ حق کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر خدا کا خوف پیدا کر کے انسان میں اَخلاقی بلندی پیدا کرنا ہے، تا کہ اس سے انسانیت دوستی ظاہر ہو۔''(38)

2۔ حقیقت پسندی

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944ء) کی شخصیت، فکر اور جدوجہد کے بہت قدر دان تھے اور پاکستان میں ان کی انقلابی فکر کو متعارف کرانے میں آپؒ کا نمایاں کردار ہے، حتیٰ کہ ایک موقع پر مولانا سندھیؒ کے مایۂ ناز شاگرد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ (سابق چیئرمین مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی و ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد، سندھ) نے آپؒ کی ان خدمات کے سبب آپؒ کو مولانا سندھیؒ کا فکری جانشین قرار دیا۔ اسی پس منظر میں آپؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؒ عملیّت پسند اور حقیقت پسند انسان تھے۔ آپؒ میں رومانویت، جذباتیت اور سطحیت نہیں تھی اور عملی جدوجہد کے حوالے سے آپؒ زمینی حقائق اور معروضی حالات کو ہمیشہ مدِنظر رکھتے تھے۔ بعض دینی اور لادینی تحریکات جس اسلوب میں انقلاب کی بات کرتی تھیں، آپؒ ان کی جذباتیت اور حقائق سے پردہ پوشی کی مذمت فرماتے تھے۔ چناں چہ آپؒ کی سوچ یہ تھی کہ جو جماعتیں اور تحریکات انقلاب اور تبدیلی کی بات تو کرتی ہیں، لیکن ان کے مفہوم اور تقاضوں سے نا آشنا ہیں اور زمینی حقائق و عملیت پسندی کے بجائے محض جذباتیت اور رومانویت کے زیرِ اثر ہیں، وہ بہت جلد سامراج کے مذموم مقاصد کے لیے استعمال ہوجاتی ہیں۔

آپؒ کا ذہن فطری طور پر نمو پذیر اور تغیراتِ زمانہ کی رعایت کا حامل تھا۔ آپؒ حالاتِ زمانہ کی مکمل آگاہی رکھتے تھے اور قومی و بین الاقوامی حالات کے مد و جزر پر آپؒ کی گہری نظر تھی اور اس عمل نے آپؒ کو حقیقت پسندی و عملیت پسندی کے بہت قریب کر دیا تھا۔ چناں چہ آپؒ اِفراط و تفریط، تخیل پسندی اور دین کے رومانوی و غیر عملی تصور سے کوسوں دور تھے۔ اس حوالے سے آپؒ بعض علما کی پُرانی سوچ اور عصری تقاضوں سے لاعلمی پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ:

''پچپن سال سے ہمارے اکثر علما اس پُرانی سوچ اور طریقے پر اڑے ہوئے ہیں، جو ہمارے بزرگوں نے انگریز کے دورِ غلامی میں عارضی طور پر مسلمانوں کو تحفظ دینے اور بچانے کا راستہ اختیار کیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد علما کو مکمل دین کی تعلیم کے فروغ اور مکمل دین کے غلبے کا راستہ اختیار کرنے اور اسی کی رہنمائی دینے کی ضرورت تھی، لیکن ہمارے علما نے اس جامع سوچ کو نہ اپنایا اور اپنے آپ کو محض چند کتابوں کی درس و تدریس تک محدود کرلیا۔''(39)

www.rahimia.org

3۔مربیانہ اسلوبِ دعوت

آپؒ کا اسلوبِ دعوت مدرّسانہ نہیں تھا، بلکہ مربیانہ تھا۔آپؒ ہمیشہ مختصر، سادہ اور جامع گفتگو فرماتے تھے۔آپؒ کے چھوٹے چھوٹے جملے بڑی بڑی تقریروں پر حاوی اور اپنے اندر وسیع مفہوم اور گہرائی لیے ہوتے تھے۔ ہر شخص کو اس کے مناسبِ حال اور استعداد کے مطابق دعوت دیتے۔ آپؒ ہمیشہ الفاظ کا انتخاب مخاطب کو پیشِ نظر رکھ کر کرتے۔ مذہبی ماحول اور علما کی ان کے مزاج کے مطابق رعایت رکھتے۔عصری تعلیم سے تعلق رکھنے والے حضرات سے ان کے معیار کا خیال رکھتے ہوئے گفتگوفرماتے۔ سادہ مزاج اور کم پڑھے لکھے حضرات کے ساتھ انھیں کے ماحول کے مطابق مثالیں دیتے اور ایک خاص علاقے کے ماحول و مزاج کے مطابق گفتگوفرماتے۔ گویا یہ جوہر آپؒ میں کمال درجے کا تھا کہ ہر ایک کے حالات، ماحول، مزاج اور ذہنی استعداد کا خیال رکھتے ہوئے جامع و مختصر ترین گفتگوفرماتے۔ایک صاحب جو معاشی پریشانی و بدحالی کا شکار تھے، حضرتؒ سے پوچھتے ہیں کہ آج کے دور میں سب سے بڑی نیکی کیا ہے؟ آپؒ نے برجستہ جواب دیا: ''اللہ کی مخلوق سے ظلم دور کرنا۔'' (40)

ایک مرتبہ ایک بے روزگار نوجوان نے اپنی بداَخلاقی کا علاج دریافت کیا تو اس پر آپؒ نے فرمایا کہ:

> ''معاشی بدحالی سے اچھے اَخلاق پیدا نہیں ہوتے، اس لیے معاشی حالات کی اجتماعی بہتری کی کوشش کرو، تمھارے اَخلاق خود درست ہوجائیں گے۔''

آپؒ کے اسلوبِ دعوت میں تدریج کو بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔کبھی کسی شخصیت یا جماعت پر تنقید نہیں کرتے تھے، بلکہ فکر پر تنقید کرتے تھے۔ اپنی بات کسی پر تھوپتے نہیں تھے، بلکہ فکر و شعور کی دعوت دیتے اور اپنی عقل و بصیرت سے کام لینے کا کہتے تھے۔ ماورائے عقل اور علمی موشگافی کے بجائے سادہ اور عقلی دلائل سے قائل کرتے۔ جذباتی نوعیت کے سوالات اور اعتراضات کو انتہائی تحمل و بردباری سے سنتے اور ان کے جوابات دیتے تھے۔ اپنی گفتگو میں قرآن و حدیث اور انبیا و اولوالعزم علما و مشائخ کی سیرت اور کردار سے استشہاد کرتے۔ گفتگو میں اُلجھاؤ اور فروعی اختلاف پر مبنی کوئی بات نہ ہوتی، غلبۂ دین اور اس کے فی زمانہ عملی تقاضوں پر بات ہوتی۔ الغرض! آپؒ میں نبوی اسلوبِ دعوت کی حکمت و بصیرت، موعظتِ حسنہ اور مجادلہ بالاحسن کے اوصاف بہ درجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ (41)

4۔فرقہ واریت کی نفی

فرقہ واریت اور گروہیت انگریز سامراج کی ایسی چال تھی، جس کے ذریعے اس خطے کی وحدت کو پارہ پارہ کیا گیا۔ ولی اللّٰہی جماعت نے ہمیشہ اس پالیسی کی مذمت کی اور مذہب کو گروہی مقاصد کے لیے استعمال ہونے کے خلاف شدید مزاحمت کی۔ بدقسمتی سے ہمارے بعض سادہ لوح مگر جذباتی طبقات آج بھی انگریز سامراج کی اس پرانی چال کا شکار ہوجاتے ہیں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ:

> ''آج حنفی، توحیدی اور سنی ہونے کے اعتبار سے فرقہ واریت کا شدید تعصب باہمی اتحاد کا مظاہرہ کر کے دینی انقلاب تو کبھی پیدا نہیں ہونے دیتا، لیکن یہی فرقہ پرست عناصر، بے دین ظالم سرمایہ دار طبقے کے اشاروں پر ضرور جمع

ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ، دہریہ جماعتوں اور شریعت کا مذاق اڑانے والوں کا ساتھ دے سکتے ہیں، لیکن اپنی دینی جماعت سے مل کر نہیں چل سکتے۔'' (42)

آپؒ نے فرقہ واریت کی جملہ اقسام اور مذہب کی گروہی تقسیم کی نفی کرتے ہوئے نوجوانوں میں اس کا فہم وشعور پیدا کرنے پر توجہ مرکوز رکھی۔ آپؒ کی مجلس میں گروہیت، فرقہ واریت اور مسلکی تعصب کی بات نہیں ہوتی تھی۔ یہی وَجہ ہے کہ ہر مکتبِ فکر کا نوجوان آپؒ سے بہت جلد مانوس ہوجاتا تھا۔ چناں چہ آپؒ فرماتے تھے کہ:

''مذہبی فرقوں، لسانی تنوع اور نسلی رنگارنگی کا خاتمہ ناممکن ہے، البتہ اجتماعیت پسند نظام ان فرقوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کردیتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آزاد قوموں میں کوئی فرقہ، غیر ملکی سازش کا آلہ کار نہیں بن سکتا، جب کہ محکوم قوموں میں فرقے قومی تقسیم کا کردار ادا کرتے ہیں۔ .... پیروی کے لیے علمائے حق کا انتخاب بھی ہم نے کسی خاندانی، خانقاہی یا گروہی عصبیت کی بنا پر نہیں کیا، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دشمن کے ہاں وہی معیار ہے، جو آزادی کے حقیقی مجاہدوں اور باشعور رہنماؤں کا ہوتا ہے۔'' (43)

آپؒ اپنے قول وفعل سے ہمیشہ فرقہ واریت اور گروہیت کی نفی کرتے اور اس کے مقابلے میں اتحاد اور اجتماعیت کا درس دیتے تھے۔ یہ آپؒ کا وہ وصف ہے، جو آج کل کے رہنماؤں میں بالکل ناپید ہے۔

نوجوانوں کی تربیت و اصلاح کی اہمیت

1947ء کے خونچکاں واقعات نے ولی اللّٰہی جماعت کو دیگر قومی وملّی معاملات میں زیادہ مشغول رکھا اور نوجوانوں میں کام کے حوالے سے یہ میدان نظر انداز ہوتا رہا، جس کا بعض مفاد پرست جماعتوں نے کافی فائدہ اٹھایا اور نوجوانوں میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے مایوسی و قنوطیت کو جنم دیا، لیکن شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اپنے شیخ کے حکم اور دیگر اکابرین کی سرپرستی میں اس میدان کا مورچہ سنبھالا اور نوجوانوں کو اپنے قریب کر کے ان اثراتِ بد سے بچانے کی بھرپور جدوجہد کی۔ ایک طرف تو عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مایوسی کو ختم کیا اور مروّجہ مذہبی نمائندوں کے برعکس ان کی ذاتی کمزوریوں سے قطع نظر کرتے ہوئے انھیں اپنے قریب کر کے ان کی عملی وفکری تربیت فرمائی تو دوسری طرف دینی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو سچے اکابر اولیاء اللہ کا تعارف کروا کے ان میں وسعتِ نظری، فکر وشعور اور فہم وبصیرت کے اوصاف پیدا فرمائے۔

کہا جاتا تھا کہ آپؒ اپنے علمی اور خانقاہی مقام کا خیال نہیں رکھتے، نوجوانوں میں گھل مل جاتے ہیں، ان کی لایعنی باتیں سنتے رہتے ہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرتؒ نے اپنے اس انداز سے کتنے نوجوانوں کی زندگیاں بدل دیں اور اصل چیز تو یہی ہے کہ انھوں نے دلوں پر حکومت کی۔ (44)

آپؒ کا طریقۂ تربیت یہ تھا کہ نوجوانوں کی بات سنتے، ان کے مسائل پر غور کرتے اور انھیں ان مسائل پر فضائل کا درس دینے کی بجائے ان سے نکلنے کا حوصلہ دیتے اور انھیں یہ باور کرواتے کہ ان کے یہ مسائل کوئی اور حل نہیں کرے گا، بلکہ انھیں خود ان اجتماعی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے سوسائٹی میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ آپؒ ان کے ذہنی تناؤ اور دین کی اجنبیت کے

www.rahimia.org

ماحول سے نکال کر ان میں جرأت و بہادری کے اوصاف پیدا فرماتے۔ ان کے غصے اور شدت کا رخ موڑ کر نظامِ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا فرماتے۔

ہمارے مذہبی حلقوں میں عصری علوم کے حامل نوجوانوں کے حوالے سے یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ یہ لادین اور بے دین قسم کے لوگ ہیں۔ چناں چہ اگر کوئی نوجوان دین کی تفہیم کی غرض سے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو ان کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ اپنا حلیہ تبدیل کر کے آئیں، مگر اس عمل سے نوجوان میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، لیکن مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا طریقۂ تربیت اس سے مختلف تھا۔ چناں چہ آپؒ نوجوانوں کے پاس خود چل کر جاتے اور انھیں پہلی ہی ملاقات میں ''جنید بغدادی'' بنانے کی کوشش نہیں کرتے تھے، بلکہ تدریجی عمل کا خیال رکھتے ہوئے ان کے نفوس و قلوب پر محبت و شفقت کے ذریعے محنت کرتے اور ان میں دین کا صحیح فہم، اکابر اولیاء اللہ سے محبت اور عصری تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا فرماتے تھے کہ نوجوانوں کو وعیدیں سنا کر نہیں، بلکہ نویدوں اور بشارتوں سے ان کے قلوب و اذہان میں دین سے محبت پیدا فرماتے ہیں۔ یہی وَجہ ہے کہ ہر طبقۂ فکر و نظر کا نوجوان حضرتؒ کی شفقت و محبت اور نظریات و خیالات سے متأثر نظر آتا ہے۔ (45)

ایک زمانہ گواہ ہے کہ آپؒ کا اکابر اولیاء اللہ سے تعلق محض اظہارِ عقیدت کی حد تک یا گرمیٔ مجلس گفتار کے لیے یا اپنا قد کاٹھ اونچا کرنے کے لیے نہ تھا، بلکہ آپؒ نے ان اکابر کے فکر و کردار میں اپنے آپ کو فنا کیا ہوا تھا۔ آپؒ نے کالجز اور یونیورسٹیز کے ان نوجوانوں کو اپنا مخاطب بنایا، جن کے ذہنوں میں برعظیم کی تقسیم کے نتیجے میں آزادی پسند علمائے حق کے بارے میں نفرت پیدا کرنے کے جتن کیے جا رہے تھے۔ چناں چہ اپنے روحانی منصب کے روایتی تأثر کے برعکس نوجوانوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ نوجوانوں کو دینِ حق کا اور دین کی آزادی خواہ شخصیات کا گرویدہ بنا دیا۔ (46)

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اکابرِ حق کے نام کی محض مالا جپنے والے حلقوں کے برعکس نوجوانوں کے اس حلقے میں اپنی پوری زندگی کھپا دی، جو ان اکابر اولیاء اللہ کے ناموں سے ہی ناواقف تھا یا ان کے نام سے بدکتا تھا۔ آپؒ نے مذہبی حلقوں کی روایتی تقسیم سے بالاتر ہو کر ہر مکتبِ فکر کے نوجوان کو اپنے سینے سے لگا کر سچے بزرگوں سے منسلک کر دیا۔

آپؒ علمائے کرام کو اس جانب متوجہ کرتے رہتے تھے کہ وہ مسلط نوآبادیاتی نظام کے مرکز کو ہدفِ تنقید بنائیں، نہ کہ اس کے اثرات کی وَجہ سے نوجوانوں کی ظاہری شخصیت سے نفرت کریں۔ آپؒ حریت پسند نوجوان طاقت کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا ہراول دستہ قرار دیتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم (مذہبی حلقہ) دین کے کس طرح کے نمائندے بنے ہوئے ہیں؟ ہم نے تو اپنے ''تقدس'' کے دفاع کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ اگر ہم دین سے مخلص ہیں تو نوجوان سے صلح کرنا پڑے گی اور اس کو مطمئن اور منظّم کرنا پڑے گا۔''(47)

اسی لیے آپؒ نے ان نوجوانوں کو دین سے مانوس کرنے کے لیے اپنی مصروفیات میں ذاتی مشاغل کا کوئی خانہ رکھا ہی نہیں، حتیٰ کہ اپنی گھریلو مصروفیات کو بھی اپنی ترجیحات میں نمایاں جگہ نہ دی۔ ایک موقع پر آپؒ نے نوجوانوں کے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا بڑی عمر کے لوگوں سے ملنا کم ہوتا ہے کہ میرا میدانِ عمل طلبا ہیں، جو حصولِ علم میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان

کا وقت قیمتی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مستقبل کی تعمیر کرنی ہے۔ اس لیے میں ان کے دروازے پر جانا اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں۔ میں نے اس کی کبھی پرواہ نہیں کہ کہ کون مجھے ملنے آیا ہے اور کون نہیں۔ میں تو ایک ایک طالبِ علم کے پاس گیا ہوں۔'' (48)

آپؒ نے نوجوانوں کی تنظیم میں دینی اور فنی علوم کے طلبا کو شیر و شکر کر کے ملک میں ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' (Divide & Rule) کے سامراجی نظام کے خلاف عملی جدوجہد کی سنجیدہ اور نتیجہ خیز کاوش کی بنیاد ڈالی۔ چناں چہ آپؒ کے حلقۂ فکر میں نظام کی پیدا کردہ اس تفریق کی لکیریں تک مٹا دی گئی ہیں۔

نوجوانوں کے لیے آپؒ کی دعوت و تربیت کا اَساسی نکتہ ان کی شعوری صلاحیت کو بیدار کر کے ان کو نظام کے دباؤ، منفی پروپیگنڈے کے اثرات اور ہجوم کی سیاست کی مرعوبیت سے نکال کر ان میں خوداعتمادی کو فروغ دینا تھا۔ اسی لیے آپؒ نے اپنی شخصیت کے مصنوعی وقار اور بناوٹی رعب و دبدبے سے کبھی کام نہیں لیا۔ اسی لیے پیرانہ سالی میں بھی ایک نوخیز نوجوان آپؒ سے بے تکلف بات کرتا اور بے دھڑک سوال کرتا تھا۔ آپؒ نے اپنے معمولات کے نام پر کبھی کسی کو ملنے سے منع نہیں کیا۔ علالت و نقاہت کی کیفیت میں بھی آرام اور علاج کے تقاضے پر بھی نوجوانوں کے ساتھ علمی و فکری نشست کو ترجیح دی۔ آپؒ کی نوجوانوں کو دعوتِ مسلسل یہ تھی کہ:

''اٹھو! حالات کو سمجھو! مسجد کو نہ چھوڑو! تفرقہ ختم کرو۔ اعلیٰ مقاصد اپناؤ۔ اپنی طاقت مت ضائع کرو۔ آلہ کار نہ بنو۔ جذباتی مت بنو۔ جذباتی نعرے مت قبول کرو۔ بارود کے بجائے علم اور عقل کے ہتھیار اپنے ہاتھ میں لو اور آگے نکلو۔ جو نوجوان باشعور ہوتا ہے، وہ قوموں کے رُخ بدل دیتا ہے۔ دشمن کی چالوں کو گہرائی اور عقل کی خوردبین سے سمجھو۔ باشعور نوجوان قیادت، ملک و قوم کی بلندی اور غلبہ دین کے لیے فریضہ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔''(49)

آپؒ کے نزدیک تزکیہ و طریقت اور اخلاصِ فکر و عمل کے بغیر ''گرمیٔ افکار اور جوشِ گفتار'' سے ''مفاداتی سیاست گردی'' تو فروغ پا سکتی ہے، مگر اس سے معاشرے اور سماج میں مؤثر تبدیلی کی توقع خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ:

''ہم نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ شعور کی آزادی دینا چاہتے ہیں، لیکن تربیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔ ان کو باشعور، اعلیٰ صحبت اختیار کرنا ہوگی۔ اعلیٰ استاد کی صحبت ہی شاگرد کو لائق بناتی ہے، جس کے نتیجے میں اپنی ذاتی رائے اور انفرادی سوچ کو اجتماعی اور مرکزی فیصلے پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اسے کامیاب بناتا ہے۔''(50)

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی دعوت مختصر الفاظ میں؛ سوچنے سمجھنے اور درست راہ میں اخلاص کے ساتھ جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی دعوت تھی۔ آپؒ شدت پسندی کے مقابلے میں اعتدال پسندی، جذباتیت کے بجائے شعور و ہوش مندی، جزوی اصلاح کی جگہ ہمہ گیر انقلاب، ذاتی مصالحت اور مفاداتی مفاہمت کے بجائے جرأت و کردار اور قربانی ذات کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے منادی بھی اور مرشد بھی۔ آپؒ کو اس بات کا مان اور کامل یقین تھا کہ:

''ہم اہلِ حق سے وابستہ ہیں۔ ہمارا علم و فکر علمائے حق سے ماخوذ ہے۔ ہمارے ہاں دین کی تعبیر؛ صحابہ کرامؓ، ائمہ اور اسلاف کے حوالے سے ہے۔ ہم نے اپنی ترقی اور تربیت کے لیے ولی اللّٰہی جماعت منتخب کی ہے۔ ہمارے پاس

www.rahimia.org

اسی جماعتِ حقہ کا لٹریچر ہے۔ واشنگٹن کی سیاست یا شکاگو یونیورسٹی کی ڈگری ہمارے علم کی بنیاد نہیں۔'' (51)

اجارہ دارانہ تصورِ مذہب پر تنقید

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ دینِ حق کو گروہی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی سیاست کے شدید ناقد تھے اور اس کو غلبہ دین کے قرآنی نصب العین کے لیے سخت نقصان قرار دیتے تھے۔ اسی لیے ملکی و بین الاقوامی سیاست میں مذہب کو اقتداری مقاصد کے حصول کے لیے آلۂ کار بنانے کی پالیسی بنانے والوں کے عزائم کو بے نقاب کرتے رہے۔ اس کے برعکس آپؒ ایسی قومی تحریکات کے حامی تھے، جنھوں نے عالمی سطح پر امریکی سامراج کو چیلنج کیا۔

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ مذہبی طبقے کی مروّجہ سوچ اور طرزِ عمل پر کُڑھتے اور اظہارِ افسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ سچے اولیاء اللہ کے مشن کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ چوں کہ آپؒ کے پیشِ نظر اپنے دور کے باکردار، استقامت کے کوہِ گراں اور عقل و دانش کی مینار شخصیات تھیں، اس لیے آپؒ اکابر کے نام لیواؤں کو ان بزرگوں کی سیرت و کردار یاد دلاتے اور جب کہ ان کی موجودہ روش کو دین کے حقیقی تشخص کے لیے روگی قرار دیتے تھے۔

آپؒ چاہتے تھے کہ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں آج کے معاشی و سیاسی نظاموں کے بارے میں شعور بیدار کرنے والا فکر اور سرمایہ داری اور سامراجی نظاموں کے داؤپیچ کو سمجھنے والی حکمت کا مطالعہ شامل کیا جائے، تاکہ ذرائع ابلاغ اور لٹریچر کے پروپیگنڈے کی حقیقت سے آگہی حاصل ہو سکے۔ کیوں کہ آپؒ کی رائے میں:

> ''اگر قومیں باشعور اہلِ فکر کے بجائے سادہ لوح نیک لوگوں سے سیاسی رہنمائی لینے پر آجائیں تو سینکڑوں سال پیچھے چلی جاتی ہیں کہ ایسے لوگ جلد دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح کے لوگوں کے ہاں معاشی عدل کے نظام سے زیادہ سزاؤں کا نظام، نفاذِ اسلام کے ہم معنی ہے۔'' (52)

آپؒ ملک میں نوآبادیاتی نظامِ تعلیم کی باقیات پر مبنی نظامِ تعلیم کو شعور دشمنی اور فرسودگی کی علامت قرار دیتے ہوئے اس سے جنم لینے والی افسر شاہی کو ملکی مفادات کا سوداگر بتاتے تھے۔ جس نے ملک کے ہر شہری کو قرضوں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے اور اس کی معاشی و سماجی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ اس کو جرائم پیشہ اور خودکشی کے راستے پر لا کھڑا کیا ہے۔ آپؒ اس طرح کے مفاد پرست طبقے کی موجودگی میں نفاذِ شریعت کے جزوی منصوبوں کو کسی طور پر مفید اور بارآور ہونے کی سوچ کو نہایت سطحی خیال کرتے تھے۔

سامراج کی مخالفت

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ بین الاقوامی سیاست کے حوالے سے واضح اور دوٹوک موَقف رکھتے تھے کہ دنیا کی مظلوم اقوام کو درپیش مسائل کا بنیادی سبب امریکی سامراج کی منافقت اور مکاری پر مبنی پالیسی ہے، جس کو مقامی سطح پر مذہبی حلقوں سمیت ملک کے اہم حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔ آپؒ ایوب دور سے ہی امریکی سامراج کو بے نقاب کرتے چلے آرہے تھے، جب کہ آج کی ''امریکا مخالف'' مذہبی و سیاسی جماعتیں اس کی گود میں پرورش پا رہی تھیں اور اس کی اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کو ''اسلامی جہاد'' کے عنوان سے پیش کرنے کو دینِ اسلام کا فریضہ تصور کرتی تھیں۔

www.rahimia.org

آپؒ نے جس ماحول اور جن بزرگوں سے تربیت پائی تھی، ان میں سامراج دشمنی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ آپؒ نے اپنے ولی اللّٰہی اکابرین کے طرزِ عمل پر ذاتی مفادات اور فوائد کے لیے سامراج سے کبھی صلح نہیں کی۔ آپؒ نے سامراجی نظام کی آلہ کار جماعتوں اور تحریکات کا تعاقب کیا اور نوجوانوں کو ان وقتی اور جذباتی تحریکات میں سامراج کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہونے سے روکے رکھا۔ آپؒ کی اصل توجہ پاکستان میں اسلام کے نام سے سامراجی فکر کو شکست دینا تھی۔ آپؒ نے نہایت تدبیر، عقل مندی، دوراندیشی سے ولی اللّٰہی نوجوانوں کو سامراج دوست تحریکوں کے چنگل میں جانے سے بچائے رکھا۔

آپؒ کا خیال تھا کہ اس خطے کی سیاسی، سماجی اور مذہبی انتشار کا باعث انگریز سامراج کا جدید نوآبادیاتی نظام ہے، جس نے ہماری قومی اور فکری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، لیکن ہمارے علما ان خرابیوں اور انتشار کے شکار نوجوانوں پر تو تنقید کرتے ہیں، لیکن سامراج کے مسلط کردہ اس نظام کو ہدفِ تنقید نہیں بناتے، جو لوگوں کے لیے اَخلاقی، روحانی اور معاشی پس ماندگی کا باعث بن رہا ہے۔(53)

آپؒ برعظیم میں انگریز سامراج کے کردار کا گہرا مطالعہ اور سامراج کی حکمتِ عملی اور چالوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ لوگ اس وقت تک بارش کا یقین نہیں کرتے، جب تک کہ وہ برس نہ جائے، لیکن سمجھ دار کاشت کار ہوا کا رُخ اور خوشبو سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ بارش ضرور ہوگی جیسے عام، بالکل یہی صلاحیت سامراج کی حکمت عملیوں اور سازشوں کے حوالے سے آپؒ میں پائی جاتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وقت کے عمومی و ظاہری حالات کے پیش نظر سامراج کی حکمتِ عملی کے حوالے سے آپؒ کا تجزیہ درست نہ لگتا، لیکن بعد کے حالات سے ثابت ہوتا کہ ان کا تجزیہ بالکل درست تھا۔

عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ ملک پر مسلط نظامِ ظلم کے سخت خلاف تھے اور ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر اسے تبدیل کر کے ملک میں صالح نظام کے قیام کے داعی تھے۔ آپؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قانون کی جزوی تبدیلی سے نظام تبدیل نہیں ہوا کرتے، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1762ء) کی اصطلاح ''فک کل نظام'' کی بنیاد پر نظامِ ظلم کو ختم کیا جانا ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپؒ جذباتیت اور رومانویت کے بجائے حقیقت پسندی اور عملیّت پسندی کے قائل تھے اور ٹھوس تنظیمی صلاحیت اور قومی شعور کے حصول کے بعد عدمِ تشدد کی اساس پر نظام کی تبدیلی کی بات کرتے تھے۔ آپؒ خود فرماتے تھے کہ:

> ''عدمِ تشدد سے ہماری یہ مراد ہے کہ قوموں کو لڑانے کے بجائے تنظیمی اور شعوری صلاحیت اس کے اندر پیدا کی جائے۔ ہم یہاں تشدد کریں گے تو یہاں سارے مسلمان ہیں، وہ آپس میں لڑلڑ کر مریں گے۔ سامراج کی ناکامی اسی میں ہے کہ اپنے اندر تنظیمی، شعوری صلاحیت پیدا کی جائے، لڑائی وغیرہ تو حکومت ناگزیر حالات میں کرتی ہے، حتیٰ الوسع سیاسی حکمتِ عملی سے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔''

ہمارے ہاں بعض جماعتیں اس ولی اللّٰہی فلسفے پر عمل نہ کرنے کی وَجہ سے ماضی میں سامراج کے مذموم عزائم اور مقاصد کے لیے بڑی سادہ لوحی سے استعمال ہوتی رہی ہیں، لیکن حضرتؒ تمام زندگی نظام کی تبدیلی کے لیے عدمِ تشدد کے اصول پر کاربند

رہے اور اسی اصول پر اپنی جماعت کو تیار کیا۔ (54)

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے جس دانائی اور تدبر سے اسلام کے تمام شعبوں؛ شریعت، طریقت اور سیاست کے مابین توازن پر مبنی دینی فکر کو فروغ دیا، نہ صرف یہ، بلکہ آپؒ نے اس فکر سے منسلک نوجوانوں کی تربیت کی صبر آزما، مگر نتیجہ خیز جدوجہد کی۔ وہ اس دور کا ''تجدیدی کارنامہ'' کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دینی فکر کے متعدد شعبوں اور مکاتب کے مابین توازن کے جس نظریے کو متعارف کرایا، مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اس کے عصری تقاضوں کی تعیین اور اس پر تشکیل و تنظیم کی حکمتِ عملی کی داغ بیل ڈالی، جو صراطِ مستقیم کے آج کے تقاضوں کی شعوری بنیادوں پر غمازی کرتی ہے۔ ان کے ہاں متوازن حکمتِ عملی کا لازمی جزو ''غلبہ دین'' کے لیے ''سیاسی بصیرت'' کا ہونا اور ''روحِ عصر'' سے آگہی کا ہونا ہے، جو آج کے مفاداتی مذہبی طبقے کو کسی طرح گوارہ نہیں کہ وہ افسوس ناک حد تک اپنی ''آلۂ کار'' اور تابع حیثیت کو ہی مذہبی تقاضا گردانتا ہے۔

حضرت رائے پوریؒ نے اپنی جہدِ مسلسل سے پاکستانی معاشرے میں ولی اللّٰہی فکر سے آراستہ باشعور نوجوان طاقت کو تنظیم کے مرحلے میں لا کھڑا کیا اور اپنے فکر و عمل کی توانائی اپنی تربیت یافتہ جماعت میں منتقل کر کے خود بہ طور ''نفسِ مطمئنّہ'' اپنے ربّ کے حضور سُرخرو ہو گئے ہیں۔ آپؒ سے وابستہ نوجوان، آپؒ کی متعین کردہ راہِ عمل پر گامزن ہو کر اگلے مراحل کی طرف بڑھنے کے لیے اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی انتھک دینی جدوجہد کو اعلیٰ ترین شرفِ قبولیت عطا کرے۔ ان کے درجات کو بلند سے بلندتر فرمائے۔ آمین!

حوالہ جات

1 عبدالخالق آزاد رائے پوری، مفتی، مشائخ رائے پور، دار التحقیق والاشاعت، لاہور 2006ء ص 179

2۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ، مقالہ ایم فل بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان 2012ء-2013ء ص 105، 107

3۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 145

4۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 108

5۔ مفتی سعید احمد، مکتوب بنام مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری 18 صفر 1366ء/ 2 جنوری 1948ء

6۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 110

7۔ عبدالخالق آزاد رائے پوری، مفتی، مشائخ رائے پور، ص 185

8۔ سعید الرحمٰن، مفتی، مجلّہ شعور و آگہی لاہور جلد 5 شمارہ 2، جولائی – ستمبر 2013ء ص 20

9۔ ماہنامہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد، شمارہ نمبر 12، اکتوبر و نومبر 2012ء، ص 9

10۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 111

www.rahimia.org

11۔ عبدالخالق آزاد رائے پوری، مجلّہ شعور و آگہی، ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور، جلد 4 شمارہ 4، اکتوبر-ستمبر 2012، ص 19
12۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 112، 113
13۔ ایضاً
14۔ ایضاً، ص 113
15۔ عبدالخالق آزاد رائے پوری، مجلّہ شعور و آگہی جلد 4 شمارہ 4 ص 25
16۔ ایضا، ص 27
17۔ دستور تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی پاکستان، شعبہ نشر و اشاعت لاہور 2001ء
18۔ عبدالخالق آزاد رائے پوری، مشائخ رائے پور ص 195
19۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، ج 48 شمارہ نمبر 1 اکتوبر 2012ء ص 44
20۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 121
21۔ عبدالخالق آزاد رائے پوری، مجلّہ شعور و آگہی، جلد ع 4، شمارہ 4، ص 34
22۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع ترمذی، دارالعرب الاسلامی بیروت 1998، ج 5 ص 149
23۔ شاہد رشید پروفیسر، ماہنامہ البرہان لاہور ج 16، شمارہ نمبر 18، اکتوبر 2012ء ص 50
24۔ ماہنامہ رحیمیہ لاہور ج 5، شمارہ 10، اکتوبر 2013، ص 9
25۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 123، 124
26۔ حافظ محمد شفیق، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج 5، شمارہ 5، مئی 2013، ص 9
27۔ شاہد رشید، پروفیسر، ماہنامہ البرہان لاہور، ج 16، شمارہ 18، ص 50
28۔ ایضاً
29۔ حافظ محمد شفیق، ماہنامہ رحیمیہ لاہور ج 5، شمارہ 50 ص 8
30۔ حاجی محمد یوسف جاوید، ماہنامہ رحیمیہ لاہور ج 5 شمارہ 8، اگست 2013ء ص 11
31۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 136، 137
32۔ سعد احمد خاں، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج 5 شمارہ 10، اکتوبر 2013ء ص 9
33۔ عبداللہ عابد سندھی، مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 265، جنوری تا مارچ 2013ء، ص 14
34۔ مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 265، ص 42
35۔ سعد احمد خاں، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج 5، شمارہ 10 ص 10
36۔ حافظ محمد شفیق، ماہنامہ رحیمیہ لاہور ج 5، شمارہ 5 ص 8
37۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ ص 138
38۔ مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 262، ستمبر 2012ء، ص 6
39۔ مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 249، نومبر، دسمبر 2010ء ص 13
40۔ حافظ محمد شفیق، ماہنامہ رحیمیہ لاہور ج 5 شمارہ 4، اپریل 2013ء، ص 11
41۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ ص 145

www.rahimia.org

42۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور، نمبر 38، جولائی 1981ء ص 8
43۔ ایضاً
44۔ سعید الرحمٰن، مفتی، ماہنامہ رحیمیہ لاہور، ج 4 شمارہ 10-11، اکتوبر و نومبر 2012ء ص 12
45۔ عبدالودود علیمی، مجلّہ شعور و آگہی لاہور ج 2 شمارہ 2 اپریل- جون 2010ء ص 119، ایضا محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ ص 131
46۔ سعید الرحمٰن، مفتی، مجلّہ شعور و آگہی لاہور ج 5 شمارہ 1، جنوری تا مارچ 2013ء ص 108
47۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور نمبر 77 اپریل 1988ء ص 8
48۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور نمبر 8 جون 1976ء ص 18
49۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور نمبر 77 اپریل 1988ء ص 7، 13
50۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور نمبر 30 مئی 1980ء ص 11
51۔ مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 87 مارچ 1990ء ص 5
52۔ مجلّہ عزم سیریز لاہور نمبر 39 ستمبر 1981ء ص 7
53۔ مجلّہ عزم سیریز ملتان نمبر 236، اکتوبر 2008ء ص 14
54۔ محمد انس حسان، ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا حصہ، ص 326

☆

www.rahimia.org

مکتوبات

مشائخ رائے پور کے نام
اکابر علما و مشاہیر کے مکاتیبِ گرامی

ترتیب و تدوین: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(13)

(حضرات مشائخ رائے پور کے نام بہت سے اکابر علما اور مشاہیر نے کافی تعداد میں خطوط لکھے۔ حضرات مشائخ رائے پورؒ نے ان اکابر علما اور مشائخ حضرات کے نام مکاتیب لکھے۔ ان خطوط کے مطالعے سے بہت سے علمی نکات اور اہم اُمور پر ان حضرات کے درمیان ہونے والے تبادلہ خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ حضرات مشائخ رائے پور کے مکتوبات شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ان حضرات کے نام دیگر حضرات اور اکابر کے دستیاب خطوط بھی مرتب کر دیے جائیں۔ افسوس ہے کہ حضرات اکابر کے مشائخ رائے پور کے نام لکھے ہوئے تمام مکاتیب مرورِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہے، لیکن جو چند مکاتیبِ گرامی ہمیں دستیاب ہو سکے، انھیں قارئین کے مطالعے کے لیے مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلے کی پہلی قسط میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے بانی حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے نام مشائخ کے مکاتیب شائع کیے گئے تھے۔ جب کہ دوسری قسط سے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کے نام مکاتیب شائع کیے جا رہے ہیں۔

اسی سلسلے کی یہ تیرہویں قسط قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس قسط میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے نام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (داماد رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، راولپنڈی)، حضرت سیّد مطلوب علی زیدی (مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، راولپنڈی)، مولانا محمد الیاس میواتیؒ (مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، میوات)، حضرت مفتی عبدالقیوم رائے پوریؒ (سابق متولّی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور، ضلع سہارن پور، انڈیا)، حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ (سابق مہتمم مدرسہ فیض ہدایت، قصبہ رائے پور ضلع سہارن پور)، حضرت مولانا الیف اللہ عثمانیؒ (سابق مہتمم مدرسہ انوارالعلوم، 22 بلاک، سرگودھا) کے مکتوبات شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں۔ مرتب)

www.rahimia.org

مکتوبات

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (راولپنڈی)

مکتوب (1)

مکان نمبرP/1475، محلّہ ہری پورہ، راولپنڈی ۷۸۶ ۱۴رشعبان ۱۳۸۵ھ/ ۸رنومبر ۱۹۶۵ء

مخدومی محترمی سیّدی وسندی حضرت مولانا ادام اللہ برکاتکم

السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ و برکاتہٗ

صحت و عافیت مزاج مبارک مدام مطلوب ہے۔

عرض ہے کہ پنڈی کے احباب کی دِلی تمنا ہے کہ آں جناب رمضان شریف سے پہلے پہلے پنڈی تشریف لائیں۔ اکثر دوستوں نے احقر سے فرمائش بھی کی ہے کہ حضرت اقدس کی خدمتِ اقدس میں اس مقصد کے لیے عریضہ ارسال کروں۔ ملازمتوں اور کاروبار کی مجبوریوں کی وَجہ سے عام دوست خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے قاصر رہے۔ تشریف لانے سے سب کی مُراد پوری ہوجائے گی۔ اور دلوں کی بجھی ہوئی مشعلیں ازسرِنو روشن ہوجائیں گی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ گزارش کرتے ہوئے بے حد شرمندگی محسوس کرتا ہوں، ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ جسارت ناراضیٔ طبع شریف کا سبب نہ بن جائے۔ از بہرِ خدا معاف فرما دیا جائے۔ ندامت کی وَجہ یہ ہے کہ نہ حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرسکا، نہ عریضہ ہی ارسالِ خدمت گرامی کرسکا۔ بجائے خود حاضر ہونے کے (آپ کی) پنڈی میں قدم رنجہ فرمائی کے لیے عرض کر رہا ہوں۔

حضرت! اسی ندامت نے کش مکش میں مبتلا رکھا۔ ایک دفعہ عریضہ لکھ کر پھاڑ دیا۔ دوبارہ آپ کے اَخلاقِ کریمانہ اور خصوصی شفقتوں کے پیشِ نظر لکھ ہی دیا۔ دوسرے دوستوں کی طرح اَحقر کی بھی دِلی تمنا ہے کہ تشریف آوری ہوجائے۔ دلوں پر زنگ تہہ بہ تہہ چڑھا ہوا ہے۔ آپ کی صحبت اور توجہ سے خدا تعالیٰ سے اُمید ہے کہ دلوں کی صفائی کا انتظام فرما دیں۔ ؎

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

(وہ لوگ جو مٹی کو ایک نظر سے کیمیا کردیتے ہیں،
آیا کہ وہ اپنی نظر کا ایک گوشہ ہماری طرف کریں گے۔)

تشریف آوری کے ارادے سے مطلع ہونے پر کوئی خادم حاضرِ خدمتِ اقدس ہوجائے گا۔ اَغلب یہ ہے کہ بعض دوسرے دوستوں نے بھی عریضہ جات ارسالِ خدمت کیے ہوں گے۔

عزیزم مولانا سعید احمد سلّمہٗ اللہ تعالیٰ اور حاضرین کی خدمات میں سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام منتظر محمد یوسف لدھیانوی، از راولپنڈی

بہ ملاحظۂ گرامی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ العالی خلیفۂ ارشد حضرت اقدس رائے پوری رحمہم اللہ تعالیٰ

مکان نمبر17، بلاک22، سرگودھا

مکتوب (2)

مکان نمبر P/1475، محلّہ ہری پورہ، راولپنڈی ۷۸۶ ۲۸/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۸۶ھ (15/ستمبر 1966ء)

شیخی، سیّدی، سندی، حضرت مولانا أدام اللّٰہ برکاتکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

صحت و عافیتِ مزاج مبارک مدام مطلوب۔

عرض ہے کہ گرامی نامے کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ صحت و عافیت کا علم باعثِ اطمینان ہوا۔

محترم الحاج (بابو جی) عبدالعزیز مدظلہٗ العالی کا گرامی نامہ بھی مل گیا۔ پنڈی کے سفر کا آں جناب کے پروگرام میں مندرج رہنا ہم عاجزوں کی انتہائی خوش قسمتی و سعادت مندی ہے۔

حضرت! سخت شرمندہ ہوں۔ عریضہ ارسالِ خدمت کرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اطمینان کا وقت نصیب ہو جو لکھوں، مگر مصروفیات کچھ ایسی بے ڈھنگی ہیں کہ مطلوبہ اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ مجبوراً اس وقت بھی انتہائی عجلت میں عریضہ لکھ رہا ہوں۔

الحمدللہ! آپ کی توجہاتِ گرامی کی بہ دولت تائیدِ ایزدی شریکِ حال ہے۔ ذکر کا معمول اور صلوٰۃ اللّیل (نمازِ تہجد) کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ ان شاء اللہ العزیز! توقع ہے کہ آپ کی دعا کے صدقے میں قائم رہے گا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل خوب لگتا ہے۔ مقررہ تعداد سے **احیاناً** (کسی وقت) کمی ہو جانے پر بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی ہے، تا آں کہ دوسرے وقت میں تلافی نہ کر لی جائے۔

حضرت! عمر کا سرمایہ **قریب الختم** (ختم کے قریب) ہے۔ زندگی رائیگاں ہی گزر گئی۔ للّٰہ کوئی ایسا طریقہ ارشاد فرمایا جاوے کہ **تلافی مافات** (جو نقصان ہو چکا، وہ پورا) ہو سکے۔ کسی پنجابی شاعر نے احقر کے حسبِ حال چند اشعار لکھے ہیں، جو **''طابق النّعل بالنّعل''** (جیسے جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے۔) کا مصداق ہیں۔ ؎

کسے ہالی نوں ہل وہیندیاں لبھا اِک خزانہ
ہیرے آ تے جواہر سارے اعلیٰ شان شاہانہ

....

....

''کسی کسان کو زمین میں قلبہ رانی کرتے (ہل چلاتے) ہوئے جواہرات کا خزانہ مل گیا۔ بے خبری میں پتھر خیال کر کے چڑیاں اُڑاتا رہا۔ اور ہیرے چڑیوں کی طرف مار مار کر ضائع کرتا رہا۔ اتفاق سے ایک ہیرا جیب میں کسی طرح رہ گیا۔ بازار سے گزرا تو جوہریوں نے گھیر لیا اور ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر دام دینے لگے۔ اُس وقت اُسے ہیروں کا بہت سا ذخیرہ ضائع کر دینے پر حسرت ہوئی اور رونے لگا۔''

احقر کا حال بھی ہُو بہ ہُو ایسا ہی ہے۔ بڑے حضرت اقدس (مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ کا بابرکت زمانہ

بھی کافی مدت تک نصیب رہا، مگر خدمتِ اقدس میں حاضری برائے نام گاہ بہ گاہ (کبھی کبھی) ہوئی اور بس، حال آں کہ اُدھر سے مہربانیوں اور شفقتوں کی بارش برستی رہی، مگر احقر سے قدر نہ ہوسکی۔

الحمدللہ تعالیٰ! آں جناب کی طرف دل سے رجوع ہوا۔ حاضری کا ارمان ہی رہا۔ حسبِ خواہش حاضری سے محروم رہا۔ گزشتہ ایام میں بھی قاری محمد اسحاق صاحب کی تحریک سے آپ کے پنڈی کے سفر کے بہانے نے سرگودھا پہنچا دیا۔ **ایــــامــــاً معدودہ.** (گنتی کے چند دن) نو دس روز حاضری رہی۔ حضرت! احقر کے لیے یہ دن سراسر رحمت ثابت ہوئے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہم راز کردی
(اللہ جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھ کھول دی۔
آپ نے مجھ کو جانِ جاں کا ہم راز کردیا۔)

''جانِ جاں'' سے احقر کی مُراد ذکر کا تھوڑا بہت شوق ہے۔

جمادی چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم
(میں نے چند پتھر دیے اور اپنی جان خریدی۔
الحمدللہ! میں نے عجیب سستا خریدا۔)

''جمادی'' سے مطلب اس عاجز کا چند روز ہے۔ حضرت کی توجہ اور دعا سے ایک حد تک غفلت دور ہوئی۔

تمہید ضرورت سے زیادہ لمبی ہوگئی۔ ممکن ہے کہ ملالِ خاطر کا سبب ہوئی ہو۔ معذرت خواہ ہوں۔

پنڈی سے تقریباً سب ہی متوسلین چشم بہ راہ ہیں۔ سفر کے لیے زمانے کا تعین حضرت کی رائے عالی پر ہی ہے۔ جیسا اور جب مناسب خیال فرمائیں، ہم عاجزوں کی خوش بختی ہوگی۔

(بڑے بیٹے حافظ) محمد یونس کی اہلیہ ہولی فیملی (امریکن مشن کا مشہور ہسپتال) میں داخل کرادی گئی ہے۔ انھوں نے مرض کی تشخیص کر کے علاج شروع کردیا ہے۔ برخوردار احمد مونس بھی دوسرے آپریشن کے لیے اسی ہسپتال میں داخل ہورہا ہے۔ اپینڈے سائیٹس کا پہلا آپریشن درست ہوجانے پر ہسپتال کے ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ ایک ماہ بعد ایک دوسرا آپریشن بھی ضروری ہے، تاکہ مرض کا کلیتاً انسداد ہوجائے۔ دس بارہ روز میں ان شاءاللہ صحت یاب ہوکر دونوں مریض گھر آجائیں گے۔ دعا کی درخواست ہے۔

احقر نے پنڈی پہنچتے ہی انفرادی طور پر احبابِ سلسلہ (عالیہ رحیمیہ رائے پور) سے ڈھڈیاں کے مناظر و مذاکرات تفصیل سے بیان کیے۔ جو سنتا رہا، الحمدللہ! متأثر ہوتا رہا۔ محترمی الحاج ولی محمد لدھیانوی ۱۹،۲۰ر کے مجوزہ جلسے (منعقدہ ڈھڈیاں، سرگودھا) میں شمولیت کے لیے **شدِّ رِحال** (سفر کرنے) کا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ انھوں نے ارادہ فسخ کرلیا اور لائل پوری احباب کو بھی اطلاع دے دی کہ میں جلسے میں نہیں جاؤں گا۔

عجیب بات یہ معلوم ہوئی کہ ڈھڈیاں سے میر گوہر علی صاحب کے نام جلسے میں شرکت کی دعوت پہنچی۔ اس خط میں لکھا تھا کہ:

www.rahimia.org

''ہم اس قسم کے جلسے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کرتے رہے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیں خرچ عطا فرماتے ہیں۔ خود حکم دیتے رہے ہیں کہ جلسے کرو۔ مولانا محمد علی (جالندھری) صاحب وغیرہ مقررین کو ڈھڈیاں اور نواح میں جلسوں میں تقریروں کے لیے حکماً بھیجتے رہے ہیں۔''

مطلبِ سعدی یہ ہے کہ اس وقت جلسہ کیوں نہ کریں۔

مجھے یہ اطلاع میر صاحب نے خود نہیں دی۔ حاجی ولی محمد صاحب اور صوفی احمد دین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ میں نے ان دونوں کو حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا ہے۔ پھر میں نے خود میر صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی مضمون بیان کیا۔ ایک دو اَور صاحب بھی اُس وقت موجود تھے۔ اس پر احقر نے تیزی سے کہا کہ: ''یہ دھوکا اور فریب ہے۔ صاحب زادگان کے مرتبے سے بہت گِری ہوئی حرکت ہے۔'' حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں ''عرس'' بن جانے کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس پر وفات کے بعد کے حالات و واقعات کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

احقر نے تفصیلی ذکر (آپ کی) ڈھڈیاں کی صبح والی مجلس کا کیا۔ اور اس وقت جلسے کے متعلق حاضرین کے رُو بہ رُو صاحب زادگان کی خاموشی کا بیان کیا کہ (انھوں نے) مجوزہ جلسے کی دور رَس خرابیاں حضرت (آں جناب) کی زبان مبارک سے سن کر بہ ظاہر سمع (سنا) اور قبول ظاہر کیا۔ میر صاحب نے تسلیم کیا کہ واقعی متوقع خرابیوں کا یقین ہے۔ احقر نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ العالی کا حوالہ بھی دیا کہ: ''ذمہ دار بزرگانِ سلسلہ کی موجودگی میں موصوف نے حضرت (آں جناب) کو مزار شریف پر خلافِ روایات خانقاہِ رحیمیہ ہر حرکت سے روکنے کا حق دیا۔'' میر صاحب نے یہ سب کچھ سنا، بہ ظاہر تسلیم کیا، لیکن معلوم ہوا ہے کہ جلسے کی شرکت کے لیے ارادہ رکھتے ہیں۔

احقر نے ان سب حضرات سے انفرادی طور پر بیان کر دیا کہ (ڈھڈیاں میں مزار سے متصل) مسجد میں مٹی کا تیل جلایا جاتا ہے۔ فرشِ مسجد اور دیواروں پر تیل گرا ہوا پایا گیا۔ توجہ دلانے پر علاقے کے مفتی قاضی عبدالقادر (جھاوریاں) کے خاندان کا سہارا لیا کہ ''وہ جائز کہتے ہیں۔''

پھر احقر نے نمازِ فجر کے بعد دو مستقل نمازیوں کو مسجد میں مزار شریف کی طرف رُخ کر کے کافی دیر تک دعا کرتے رہنے کا ذکر کیا۔ صاحب زادگان نے اس کا جواب یہ دیا کہ: ''ہم یہاں دیوبندی بریلوی جھگڑا نہیں چھیڑنا چاہتے۔ اور کہا کہ وہ دونوں صاحب بریلوی ہوں گے۔'' اس پر (میں نے اپنی اس) تنقید کا ذکر کیا کہ: ''بریلوی لوگ بغداد شریف (اتنی دور) کا ارادہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف (اتنی قریب) کو درمیان رکھ کر دعا کبھی نہیں کر سکتے۔'' پھر اس پر صاحب زادگان کی خاموشی کا ذکر کیا۔ پھر (مزار کے احاطے کے) دو دروازے رکھنا، جن میں سے ایک چھوٹے کیواڑوں کا ہے، جس میں سے گزر کر مزار پر دعا کو جانے والا صورتاً طواف کرتا ہے۔ صاحب زادگان نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ العالی کو اسی دروازے سے مزار شریف پر پہنچایا۔ اسی دروازے سے مستورات مزار شریف پر آتی اور مشرکانہ حرکات کرتی ہیں۔ صاحب زادگان یہ سب حرکات دیکھتے ہیں، مگر روکنے کے بجائے یہ عذر کرتے ہیں کہ: ''ہم یہاں دیوبندی بریلوی مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے۔''

ان سب امور پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب زادگان حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کی حرمتِ

www.rahimia.org

شرعیہ کی حفاظت ہرگز ہرگز نہ کر سکیں گے۔ خلافِ شرع حرکات دیکھ کر خاموشی سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ایذا پہنچاتے رہیں گے۔ آج یہ حال ہے تو کل کیا ہوگا؟ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہ سب باتیں احقر نے میر صاحب اور دوسرے دوستوں کے سامنے بیان کر دیں۔ بندہ نے احباب سے تفصیل سے بیان کیا کہ حضرت (آں جناب) ڈھڈیاں تشریف لے گئے۔ بے انتہا شفقت کا اظہار صاحب زادگان کے ساتھ فرمایا۔ نہایت نرمی اور دِل سوزی سے مجوزہ جلسے کی خرابیوں سے مطلع فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ پچھلے جلسوں کی اطلاع تک بھی سرگودھا میں نہیں دی گئی تھی۔ اس دفعہ قاری محمد اسحاق صاحب سے جلسے کا ذکر کیا گیا۔ گویا بالواسطہ سرگودھا اطلاع بھجوائی۔ پھر ڈھڈیاں کی مجلس میں حضرت کو جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

اس دعوت کے جواب میں حضرت نے ارشاداتِ بالا سے صاجبزادگان اور اہلِ مجلس کو مستفیض فرمایا۔ حضرت نے شفقتاً یہ بھی فرمایا کہ: ''میں آج شام تک ٹھہرتا، مگر بارش نے راستہ خراب کر رکھا ہے۔ ٹیکسی والا کار لے آیا۔ خطرہ ہے کہ پھر بارش سے راستہ زیادہ خراب ہوجائے گا۔ اس لیے مجبوراً رات گزار کر صبح ہی واپس سرگودھا ہو رہا ہوں، ورنہ دل چاہتا تھا کہ ڈھڈیاں میں آپ کے پاس کم از کم شام تک ٹھہرتا۔''

میر صاحب کے مکان پر منعقدہ مجلسِ ذکر میں احقر کو یہ حالات بیان کرنے کا موقع نہیں ملا۔ شاید اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ احقر جمعہ کی مجلسِ ذکر سے گریز کرتا ہے۔ دو مرتبہ اس غرض سے گیا کہ موقع ہو تو دوستوں سے واقعات بیان کردوں، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت! یہ واقعات اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کی غرض سے عرض کر دیے گے ہیں۔ تحریر بے ربط ہے اور پریشانی اور اضطراب کا مرقع ہے۔ بے تکلفی سے عرض کر دیا ہے۔ معافی کا خواست گار ہوں۔

جھاوریاں کے مفتی (عبدالقادر) کے فتوے سے استناد پر احقر نے احباب سے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ ہمارے اَسلاف ماشاء اللہ روشن و درخشندہ روایات ہمارے لیے وراثتاً چھوڑ گئے ہیں۔ ان روایات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے کسی دوسرے خانوادۂ علم و فضل سے استناد ہمارے لیے باعثِ شرم ہے۔ یہ چیز ہزل (مذاق) کے طور پر بھی ہمارے لیے قابلِ برداشت نہیں۔

أولآئک　　آبـائـی　　فـجـئـنـی　　بـمـثـلـهـم

إذا　　جـمـعـتـنـا　　یـا　　جریر　　المجامع

(یہ ہمارے آباؤ و اجداد اور اَسلاف ہیں، ان جیسے لا کر دکھاؤ،

اے جریر! جب ہمارے سامنے لوگوں کے بڑے مجمعے جمع ہوں۔)

دیوبندی بریلوی جھگڑے سے بچنے کا بہانہ' رفتہ رفتہ بالآخر تمام غیر شرعی رسوم و شرکیہ حرکات کے دروازے کھول دے گا۔

نعوذ باللّٰہ من تِلک الخرافات۔ (ہم ان خرافات سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔)

بچے اور گھر والے سب ہی سلام مسنون اور درخواستِ دعا پیش کرتے ہیں۔

محترم الحاج بابو عبدالعزیز، محترم الحاج محمد یٰسین و حاضرینِ مجلسِ عالی بہ شرطِ یاد اور فرصت سلام مسنون۔

بہ خدمتِ اقدس سیّدی وسندی، شیخی، حضرت مولانا الحافظ عبدالعزیز صاحب ادام اللہ برکاتہم العالیہ
جانشین وخلیفۂ اعظم حضرت عالی رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ مکان نمبر 17، بلاک 22، سرگودھا
مہر ڈاک خانہ راولپنڈی 15-SEP-66 مہر ڈاک خانہ سرگودھا 17-SEP-66

مکتوب (3)

مکان نمبر P/1475، محلّہ ہری پورہ، راولپنڈی ۷۸۶ یکم/ جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۸۶ھ (17/ستمبر 1966ء)

سیّدی، سندی شیخی، مرشدی، حضرت مولانا أدام اللّٰہ برکاتکم

السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ و برکاتهٗ

امید ہے کہ ہر طرح سے خیریت ہوگی۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مریضہ (اہلیہ حافظ محمد یونس) کو نسبتاً آرام ہے۔ برخوردار احمد مونس کے متعلق بھی کل ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ دوسرا آپریشن معمولی ہے۔ اکتوبر میں موزوں رہے گا۔ اگر اس میں مزید تاخیر بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مریضہ کا خون، بول و براز اور ریڑھ کی ہڈی کا پانی وغیرہ ٹیسٹ ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر مطمئن ہیں۔ کہتے ہیں کہ کچھ روز میں مکمل شفا ہو جائے گی۔ کیوں کہ مرض پُرانا ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔ الحمدللہ تعالیٰ! گھر میں ہر طرح سے امن وامان اور اطمینان ہے۔ آپ کی دعاؤں کے صدقے میں فضلِ ایزدی شاملِ حال ہے۔

رات جمعہ کی مجلسِ ذکر کے آخر میں اس خیال سے شریک ہوا کہ سب اَحباب کے سامنے جلسے کے متعلق پوزیشن واضح کر دی جائے۔ دن میں بھی انفرادی طور پر بعض دوستوں سے ذکر کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ذکر ختم ہوتے ہی احقر سے میر گوہر علی صاحب نے فرمایا کہ: ''میں بھی ڈھڈیاں نہیں جاؤں گا۔'' حاجی ولی محمد وغیرہ دوست بھی موجود تھے۔ اُمید ہے کہ پنڈی سے ڈھڈیاں کے جلسے میں کوئی شریک نہ ہوگا۔ اشتہار قریشی (محمد شفیع) مِل والوں کے ہاں آئے ہیں۔ قاضی عبدالقادر کی طرف سے مزار شریف پر جلسے کا اعلان شائع ہوا ہے۔ قریشی صاحب کے ہاں اُن کے بچوں کو پڑھانے والے مولوی صاحب احقر سے جمعہ کے بعد ملے تھے۔ انھوں نے یہ بات بیان کی۔ میر صاحب کے پاس اشتہار نہیں بھیجے گئے۔ آں جناب نے اشتہار ملاحظہ فرما لیا ہوگا۔ مولوی صاحب مذکور کے پاس دو اشتہار موجود ہیں۔ ان شاء اللہ اُن سے حاصل کر کے اَحباب سے ذکر کر دوں گا۔

الحمدللہ تعالیٰ! جملہ احباب جلسے کے اِنعقاد اور دوسری تمام غیر شرعی حرکات سے جو مزار شریف پر کی اور کرائی جا رہی ہیں، دِلی بےزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ میر صاحب بھی سب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ حضرت! دعا فرمائی جائے کہ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائیں۔ بالخصوص صاحب زادگان کو بزرگانِ سلسلہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ الحمدللہ تعالیٰ! کہ خدا تعالیٰ نے آں جناب کے ذریعے سے اِتمامِ حجت کا سامان کر دیا ہے۔

جملہ متوسلین سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ جملہ متوسلین چشم بہ راہ ہیں اور تاریخ وغیرہ کے بارے میں آپ کی رائے عالی کے باب میں دریافت کر رہے ہیں۔ والسلام محمد یوسف عفی عنہٗ

بہ خدمتِ اقدس سیّدی وسندی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ العالی
مکان نمبر 17، بلاک 22، سرگودھا مہر ڈاک خانہ راولپنڈی 17-SEP-66

مکتوبات

حضرت سیّد مطلوب علی زیدی (راولپنڈی)

(مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ)

مکتوب (1)

۸۶ھ 10.7.65

سیّدی و مولائی دامت برکاتکم العالیہ

از احقر العباد مطلوب علی ناچیز عفی عنہٗ

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

امید ہے کہ جنابِ والا مع اہل بیت و دیگر حضرات بہ خیر و عافیت رائے پور شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ الحمدللہ! یہ ناکارہ بھی بمع دیگر حضرات بہ عافیت ہے۔

اپنی کاہلی، غلطی اور سستی کی وَجہ سے جاتے ہوئے حضرت والا کی زیارت سے محروم رہا۔ اسٹیشن پر دیر سے پہنچا، جب کہ آپ حضرات اندر داخل ہو چکے تھے۔ بہت ہی افسوس رہا۔ امید ہے کہ حضرت والا کی صحتِ مبارک اچھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حضرت والا کو رُو بہ صحت رکھیں اور سایۂ ذی شان ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھیں۔ آمین **ثمّ آمین یا إلٰہ العالَمین**۔

اس ناکارہ نے غالبًا پہلے بھی عرض کیا تھا کہ کم اندھیرے میں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ویسے قلبی کمزوری تو ہے ہی، لیکن کچھ عجیب سی بات ہے۔ لہٰذا اس کے لیے اگر کچھ ارشاد فرمائیں اور کچھ خصوصی توجہ بھی فرما دیں کہ یہ چیز بالکل ہی جاتی رہے۔

قبلہ والد صاحب اور تمام گھر والے سلام عرض کرتے ہیں۔ عبدالحفیظ خاں (جو ہمارے اوپر والی منزل میں رہتے ہیں) اور حکیم صاحب بھی سلام عرض کرتے ہیں۔

قبلہ (مولانا سیّد مسعود علی) آزاد صاحب مدظلہٗ، مولانا سعید احمد صاحب اور دیگر حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

فقط احقر العباد مطلوب علی ناچیز عفی عنہٗ

پتہ: مطلوب علی، حائری سٹریٹ نمبر31، وسّن پورہ، لاہور

بہ خدمتِ اقدس جناب قبلہ حضرت سیّدنا و مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ العالی

خانقاہ گلشنِ رحیمی رائے پور شریف (ضلع سہارن پور) یو۔ پی

www.rahimia.org

مکتوب (2)

باِسمہٖ		۶/ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ (23/مئی 1969ء)

سیّدی و مرشدی دامت برکاتکم العالیہ

از احقر مطلوب علی

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

بہت ہی شرمندہ اور معافی کا خواست گار ہوں کہ بہت دیر سے عریضہ ارسال کر رہا ہوں۔

یہاں الحمدللہ! سب طرف خیریت ہے۔ خدا کرے کہ جنابِ والا کی طبیعتِ گرامی بھی بہ خیر ہو۔ اب گرمی 2 تین روز سے کافی پڑنے لگی ہے۔

بھائی صغیر صاحب سے معلوم کیا تھا گاڑی کے متعلق، وہ فرماتے تھے کہ سہارن پور کے لیے شام ہی کو گاڑی چلتی ہے۔ دوارکا ایکسپریس ہے، وہ سیدھی سہارن پور ہی کو ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ راستے میں (گاڑی) بدلنا نہیں پڑتی۔ دوسرے وہ پروانہ راہ داری جو (سفر کے لیے) لینا پڑتا تھا، وہ اب منسوخ ہوگیا ہے۔ صرف ویزا ہی کافی ہوتا ہے۔

جناب حاجی یوسف خاں صاحب (نوراتھ) کے متعلق تو یقیناً معلوم ہوگیا ہوگا کہ انھوں نے پاسپورٹ حاصل کر کے ویزے کی درخواست بھی بھیج دی ہے۔ بھائی عطاء الحق صاحب نے حاجی رمضان صاحب کے ہاتھ یہاں کسی صاحب کو پیغام بھجوایا تھا۔ وہ ان کا پاسپورٹ نکلوا کر دیں گے۔ باقی ان کاغذات کا تو کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گئے۔

قبلہ والدین صاحبین اور تمام اہلِ خانہ کے علاوہ تمام احباب بھی سلام عرض کرتے ہیں۔

قبلہ بابوجی (عبدالعزیز) صاحب کی خدمت میں بھی اور ان کے علاوہ جو بھی حضرات وہاں ہوں، سلام عرض ہے۔

فقط احقر العباد محتاج خصوصی توجہ مطلوب علی

وہ تین جو والد صاحب نے لا کر دی تھیں، ان کی قیمت احتیاطاً لکھ رہا ہوں۔ کل-/166 روپے ہے۔

بہ خدمتِ اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری مدظلہٗ العالی		مکان نمبر 25/17، بلاک نمبر 22، سرگودھا

مکتوب (3)

باِسمہٖ		(22/اگست 1971ء)

سیّدی و مولائی دامت برکاتکم العالیہ

از احقر مطلوب علی

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

محمد اسلوب قریشی صاحب نے فرمایا کہ مولوی صادق، قاری عبدالسمیع اور قاضی عبدالقادر وغیرہ نے حضرت مفتی محمود صاحب سے یہ کہا کہ آپ نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ کے حق میں فتویٰ دے دیا ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ فتویٰ بے

شک میں نے دیا ہے۔ میرے فتوے کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا، البتہ لے جانے کے بارے میں مَیں حضرت (شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) کو لے جانے کے مخالف ہوں۔

فقط احقر مطلوب علی 22.8.71

مکتوب (4)

۷۸۶ ۱۸/صفر ۱۳۹۵ھ (2/مارچ1975ء)

سیّدی ومولائی دامت برکاتکم العالیہ

از احقر مطلوب علی

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

حضرت والا سے رخصت ہونے کے بعد بہت ہی عجیب کش مکش میں مبتلا ہوگیا۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کے مسجد والوں نے انھیں سخت سست کہا۔ دوسرے وہ کچھ بیمار بھی ہوگئے۔ وہ تو یوں مجبور ہوئے۔ قریشی صاحب کو کاروباری اُلجھنوں نے گھیر لیا۔ اب تک بھی وہ ساہیوال وغیرہ کے علاقوں میں گھوم رہے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت والا کے ذہن پر ہماری اس حرکت سے سخت بوجھ ہوگا، لیکن دیانت دارانہ طور پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جس چیز کا اظہار ناچیز نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس وقت کیا تھا (اس کی تفصیل تو عرض کرنے کی نوبت نہیں آسکی تھی) وہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اپنے تمام حالات اور مخالفین کے وسیع جال اور چالاکیوں کے پیشِ نظر اپنے نزدیک صحیح تجزیہ یہی ہے کہ اس مہال (مکھیوں) کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے فی الحال بالکل ہی سکوت اختیار کرلیا جائے۔ جنابِ والا کی مسلسل علالت اور ضعف کو دیکھتے ہوئے ان حالات سے خوف محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ لوگ اپنی چالاکیوں سے ہر سمت سے مقابلے پر آئیں گے تو ہم میں سے کوئی بھی ساتھی ایسا نظر نہیں آرہا کہ حالات، وسائل اور وقت کی قربانی دے کر مستقل طور پر ڈٹا رہے۔ سوائے اس کے کہ سارا بوجھ حضرت والا کے اوپر آن پڑے گا اور ہم سب لوگ بے بسی کے عالَم میں سوائے کُڑھنے کے کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

ہمارے سامنے اس وقت دو اہم باتیں ہیں: ایک تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے مشن و سلسلے کا احیا و بقا۔ دوسرے تابوتِ مبارک کی منتقلی۔ جو شخص بھی ان دو چیزوں سے بے فکر و بے پرواہ ہوتا ہے، میرے نزدیک حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں چیزوں کو بنیاد سمجھتے ہوئے اس وقت طبیعت میں یہ بات آتی ہے کہ ہم سب لوگ کوشش کرکے کسی نہ کسی طرح ڈھڈیاں والوں کو حضرت والا کے قدموں میں جھک جانے پر مجبور کردیں۔ خواہ ہمیں اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ اگر اس میں ہم کامیاب ہوجاتے ہیں تو پھر یہ مسئلہ بہ آسانی حل ہوسکتا ہے۔

ایک چیز یہ بھی ذہن میں آتی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی زندگی میں اگر بالفرض یہ مسئلہ حل نہ بھی ہوا تو بعد میں تو ان شاء اللہ ضرور ہی حل ہوجائے گا، لہٰذا ہر قسم کی کوشش کے بعد اُس وقت کا انتظار بھی کر لینے میں کچھ حرج نہیں۔

ایک بار پھر جناب سے اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت والا ان کوتاہیوں کو معاف فرما دیں گے۔ اس

میں کوئی شک نہیں کہ اپنی بدنصیبی کی وجہ سے معمولات کی پابندیوں میں سستی ہوجاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرتِ اقدس والا مدظلہٗ سے عقیدت اور تعلق میں کوئی کمی نہیں پاتا، بلکہ دن بہ دن ترقی ہی محسوس کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ یقیناً آپ کی خصوصی توجہ ہی کی برکت ہے۔

فقط احقر　طالب دعا ومحتاجِ توجہ مزید　مطلوب علی

(کتاب) الحرف الآخر کے متعلق (اُسے مکہ مکرمہ میں) ضائع کرنے کے بارے میں خط بمع مضمون قریشی صاحب بہ غرضِ اشاعت (ارسال کیا ہے)۔

بہ خدمتِ اقدس سیّدی ومولائی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری مدظلہٗ

مکان نمبر17، بلاک نمبر22، سرگودھا Sargodha

مکتوب

حضرت مولانا محمد الیاس میواتیؒ

(مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ)

۷۸۶　(۲۷/ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ/ 26/ستمبر 1962ء)

محترم المقام حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب　دام فیوضکم

بعد سلام کے گزارش! غلامِ قادری (احقر) نے سنا ہے کہ آپ ہندوستان تشریف لا رہے ہیں۔ بہت ہی خوشی ہو رہی ہے، مگر مولوی صاحب! میری ایک عرض ہے، دست بستہ کہ آپ ہم غریبوں پر بھی نظرِ عنایت فرمائیں۔ ہمارے علاقے کی طرف توجہ فرماویں۔ کیوں کہ ہمارے علاقے میں بہت سے لوگ حضرت (اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ تقریباً سب کے سب تمنا کرتے ہیں کہ مولانا میوات کے اندر ضرور تشریف لائیں۔ مولانا! ہم نااہل اور جاہل علاقے کے لوگ ہیں، اگر نظرِ کرم ہم پر ہوتی رہی تو امید ہے کہ بخشش کا ذریعہ ہوجائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ آخری وقت میں میوات کی طرف بہت تھی اور میواتی لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ سے بہت زیادہ تعلق ہوگیا ہے۔ ۱۱/اکتوبر کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لوگ ایک گاؤں نظام پورہ میں اجتماع کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب! میوات کا ضرور ویزا لاویں۔ مولوی صاحب! میں ایک نااہل ہوں۔ اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف فرماویں۔　دعا کا محتاج　محمد الیاس　موضع نظام پور، ڈاک خانہ نوح، ضلع گوٹ گاؤں　۲۷/ربیع الثانی ۸۲ھ

محترم المقام حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب　بلاک نمبر۲۲، سرگودھا، پاکستان

مہر ڈاک خانہ......　27-9-62　مہر ڈاک خانہ سرگودھا 30-SEP-62

مکتوب

حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوریؒ

(سابق متولّی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور، ضلع سہارن پور، انڈیا)

۷۸۶ (۲۲؍شعبان ۱۳۸۹ھ/ 3؍نومبر 1969ء)

مخدومنا المکرّم سیّدنا ومولانا حضرت اقدس **دامت برکاتکم و زید مجدکم**

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاجِ مبارک بہ خیر ہوں گے۔ یہ ناکارہ بھی حضرت والا کی دعاؤں سے بہ خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے مبارک سائے کو ہم سے سیاہ کار غلاموں کے سروں پر تادیر صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے اور حضرت والا کو ہر نوع کے امراض سے صحتِ کاملہ اور قوتِ تامہ نصیب فرمائے۔ اور درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا **أرحم الرّاحمین!**

اپنی کاہلی اور تعلیمی مشاغل کی بنا پر کوئی عریضہ اب تک ارسال نہیں کرسکا۔ باوجود مسلسل ارادے کے بڑی ہی ندامت اور محرومی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے اور میری ہر نوع کی اصلاح فرمائے۔ آمین!

اَخلاقِ کریمانہ سے قوی امید ہے کہ حضرت والا میری اس زبردست کوتاہی کو درگزر فرما کر دامنِ عفو میں جگہ عنایت فرمائیں گے اور اپنی دعواتِ صالحہ میں اپنے اس غلام سیہ کار کو فراموش نہ فرمائیں گے۔

رمضان المبارک میں حضرت والا کی تشریف آوری کی امید پر ہم دونوں (احقر اور مولانا عبدالعزیز) نے اپنا یہ مصمم ارادہ کر رکھا تھا کہ ماہِ رمضان المبارک کی رخصت لے کر یہ ماہ حضرت والا ہی کے زیرِسایہ گزاریں گے۔ چناں چہ حیدرآباد والوں کی دعوت پر اہلِ مدرسہ نے ہم لوگوں سے سفر کرنے کا مطالبہ کیا تو ہم لوگوں نے یہی عذر کردیا۔ اہلِ مدرسہ کچھ دنوں تک خاموش رہے اور حضرت والا کی تشریف آوری کے متعلق دریافت کرتے رہے۔ مولانا عتیق صاحب امید دلا رہے ہیں کہ ضرور تشریف لائیں گے، لیکن بعد کی خبروں سے پھر کچھ مایوسی و نااُمیدی ہونے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ رائے پور والوں کی قسمت میں محرومی ہی محرومی ہے۔ اور یہ سب اپنی عدمِ طلب اور ناقدریوں کا وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہم لوگوں پر رحم فرمائیں۔ بہرحال مدرسہ والوں نے پھر تقاضے شروع کردیے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب نے تو کیرالہ کے سفر کا ارادہ کرلیا ہے۔ وہ تو ۵؍نومبر کو روانہ ہوجائیں گے۔ میرا ارادہ اب تک یہی ہے کہ ماہِ رمضان کی رُخصت لے کر رمضان خانقاہ میں گزاروں۔ اللہ تعالیٰ اس ارادے کو پورا فرمائے۔ اہل مدرسہ کا بہت تقاضا ہوتا ہے کہ تم حیدرآباد چلے جاؤ۔ وہاں سے تقریباً آٹھ دس خطوط دعوت کے آچکے ہیں، لیکن ابھی تک میرا سفر طے نہیں ہوا۔ والد صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ خانقاہ میں رمضان گزارو۔ اگر حضرت والا رمضان المبارک سے قبل تشریف لے آئیں تو بہت ہی بہتر ہو اور حضرت والا کا ہم غلاموں پر زبردست احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی صورتیں پیدا فرمادیں۔ آمین!

حضرت والا سے بہت ادب کے ساتھ عاجزانہ دعاؤں کی التجا ہے۔ بالخصوص رمضان کے مبارک ماہ میں ضرور دعاؤں میں

www.rahimia.org

شامل رکھیں اور اس غلام کی کوتاہیوں کو معاف فرمائیں۔ محترم بھائی سعید صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ دعاؤں کی درخواست۔ حضرت شیخ مدظلہٗ کا رمضان مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں طے ہو چکا ہے۔

فقط والسلام ناچیز عبدالقیوم رائے پوری عفی عنہٗ ۲۲/۸/۸۹ھ سہ شنبہ

مکتوب

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ

(سابق مہتمم مدرسہ فیض ہدایت، قصبہ رائے پور ضلع سہارن پور)

معرفت مولوی عبدالحنّان صاحب (۲۶؍ رجب ۱۳۸۲ھ/ 6؍ دسمبر 1962ء)

قصاب پورہ، مسجد نواب والی، دہلی

حضرت سیّدی وسندی دامت برکاتہم

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

ازاحقر عبدالعزیز عفی عنہٗ

احقر کل مغرب کے بعد راؤ عطاء الرحمٰن خاں کے مشورے سے سہارن پور حضرت شیخ (الحدیث) سے گفتگو کے لیے حاضر ہوا۔ ۸؍ دسمبر کے اجتماع کے مقاصد کے سلسلے میں گفتگو کی گئی۔ جو خطرات محسوس کیے جا رہے تھے، ان میں سے کوئی سامنے نہیں آئے گا۔ (ان کی آمد کا) مقصود محض تعزیت ہے، اَور کچھ نہیں۔ لہٰذا جناب آٹھ (دسمبر) تک تشریف لے آئیں۔ راؤ عطاء الرحمٰن خاں کی تجویز کے مطابق ایک عریضہ ارسالِ خدمت ہے۔

فقط احقر عبدالعزیز سہارن پور ۶؍ دسمبر (1962ء)

مشورہ متعلقہ اجتماع ۸؍ دسمبر بہ معیت حضرت شیخ الحدیث صاحب

احقر ۵؍ دسمبر کو بہ مشورہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب و راؤ عطاء الرحمٰن خاں صاحب سہارن پور حضرت شیخ (الحدیث) سے ذیل کی گفتگو کے لیے پہنچا: ''مولانا عبدالوحید صاحب کے رائے پور تشریف لانے کے بعد وہاں کے حالات نازک ہو گئے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے لوگوں سے متعدد مجالس میں ایسی باتیں کی ہیں، جن کی وَجہ سے مناسب یہ ہے کہ فی الحال اس تاریخ کو مؤخر کر دیا جائے۔ نیز متعدد ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ اس اجتماع کے موقع پر سوانح اور مصالحت کے سلسلے میں بھی گفتگو کریں گے۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ موقع بھی ان دونوں میں گفتگو کرنے کا نہیں ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ دورانِ گفتگو کوئی ایسی بات پیش آ جائے، جس سے آپس میں بدمزگی پیدا ہو جائے۔ جس سے اکابر کی طبائع میں انتشار ہو۔ مولانا عبدالوحید صاحب کی طبیعت تیز ہے، جس کے پیش نظر اس چیز کا وقوع بعید نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر آں جناب (حضرت شیخ الحدیث) حالات سے مطمئن ہیں اور آپ کو کوئی اندیشہ نہیں تو ضرور تشریف لائیں۔''

جواب (از شیخ الحدیث): ''میں اس اجتماع کو ضرور مؤخر کر دیتا، مگر سب حضرات کو اطلاع ہو چکی ہے اور ان سب نے اس تاریخ کی وَجہ سے اپنے اہم اور ضروری امور کو چھوڑا ہے، جس کی وَجہ سے اس وقت اِلتوا مشکل ہے۔ میرے حاضر ہونے کا مقصود

www.rahimia.org

محض تعزیت ہے۔ حضرت کے وصال کے بعد فوراً حاضر ہوتا، لیکن اس وقت وہاں کوئی تھا نہیں۔ نہ حافظ (حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری) صاحب تھے اور نہ عطاء الرحمٰن صاحب وغیرہ۔ مولوی یوسف (کاندھلوی) صاحب اور مولوی اسعد (مدنی) صاحب نے بھی بہ سلسلۂ تعزیت رائے پور حاضر ہونے کا قصد ظاہر کیا۔ اور (انھوں نے) یہ بھی کہا کہ: ''ہم تیرے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔'' اس لیے یہ تاریخ مقرر کی گئی تھی کہ اتنے میں حافظ صاحب بھی تشریف لے آئیں گے۔ اور لمبی تاریخ اس لیے مقرر ہوئی۔ حافظ صاحب کب تک اپنے آنے کو مؤخر کریں گے؟ اس تاریخ تک تو ضرور تشریف لے آئیں گے۔ نیز مولوی عبدالجلیل صاحب نے بھی جلد واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ اس تاریخ تک میں بھی آ سکتا ہوں۔ اس حاضری پر میرا ارادہ مصالحت اور سوانح کے سلسلے میں گفتگو کا ضرور تھا، مگر جب حالات ناسازگار ہیں، اس لیے میں اس سلسلے میں گفتگو نہ کروں گا۔ اور ان دونوں (عبدالوحید و عبدالجلیل) کو بھی ہر ایسی گفتگو سے روک دوں گا، جس سے بات بڑھے۔''

فقط عبدالعزیز عفی عنہٗ مقیم خانقاہِ رحیمیہ رائے پور ۲۶/رجب ۸۲ھ

مکتوب

حضرت مولانا الیف اللہ عثمانیؒ

(سابق مہتمم مدرسہ انوار العلوم، 22 بلاک، سرگودھا)

از پانی پت، محلّہ مخدوم زادگان ۸۶ء
مکان مولانا لقاء اللہ عثمانی مرحوم

مخدومنا المحترم! أدام اللّٰہ فیوضکم

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

مجھے پانی پت آئے ہوئے ۲۰ دن ہوگئے ہیں۔ میرے آنے تک تو بھائی (مولانا) سعید (رائے پوری) صاحب وہیں (رائے پور) تھے۔ خبر نہیں تشریف لائے کہ نہیں۔ میری طبیعت خراب رہتی ہے۔ اس لیے اب تک دہلی نہیں گیا۔ اب ۴-۵ دن میں ارادہ ہے۔ حضرت والا کے مزاجِ گرامی خدا کرے بہ خیر و عافیت ہوں۔ اپنے دہلی کے پروگرام سے مطلع فرمائیے گا۔ قدم بوسی کو جی چاہتا ہے۔ (میرے ویزے میں) سوائے پانی پت اور دہلی کے اَور کسی جگہ کی اجازت نہیں۔

مولانا سعید صاحب تشریف لے آئے ہوں تو سلام عرض کر دیجیے گا۔ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ اور حکیم (محبّ الرحمٰن) صاحب اور دیگر واقفین کی خدمت میں بھی سلام مسنون عرض ہے۔ عزیزان کو دعا و سلام۔

جواب مندرجہ ذیل پتے پر ارسال فرمائیے گا:
''الیف اللہ عثمانی، معرفت خواجہ زکی احمد انصاری، سنگھم کتاب گھر، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی''

والسلام الیف اللہ غفرلہٗ

حضرت قبلہ محترم مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہم خانقاہِ رحیمیہ، رائے پور، ضلع سہارن پور

☆

www.rahimia.org

انسانی زندگی کا عملی نظم وضبط؛ امن وسلامتی

’’انسان کی شخصیت کو ایک نہایت مستحکم بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے، جس کے بغیر وہ سکونِ قلبی کے ساتھ زندگی کے امتحانات کا سامنا نہیں کرسکتا۔ پھر اس کی زندگی کا عملی اور نظم وانضباط کا دور شروع ہوتا ہے۔ امن (سلامتی) اسلام کا کلیدی لفظ ہے۔ صرف اور صرف امن وسلامتی ہی میں انسانی ذہن مثبت طور پر ترقی کرتا ہے۔ ہمارے عالم وفاضل ماہرینِ نفسیات سے کہیں پہلے خالقِ حقیقی انسان کی اس بنیادی ضرورت سے آگاہ تھا۔ سلامتی (امن وسکون) ہی وہ پہلی دعا ہے، جو السلام علیکم کہہ کر ہر مسلمان ہر صبح بیدار ہوتے ہی (اردگرد والوں کو) دیتا ہے اور وصول کرتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے یا رُخصت ہوتے وقت اور سبھی ملنے والوں سے ملاقات کے وقت بھی سلامتی کی دعا دی جاتی ہے اور وعلیکم السلام کے جواب کی صورت میں وصول کی جاتی ہے۔ رات کو جب سونے لگتے ہیں، تب بھی اہلِ خانہ کو امن وسلامتی کی دعا دی جاتی ہے۔ انسانی زندگی کا عمر بھر کا وظیفہ ہی اپنے لیے اور دوسروں کے لیے سلامتی کا ماحول پیدا کرنا ہوتا ہے۔‘‘

(ایک متوازن اور معتدل راہ، صفحہ 69)

QUARTERLY
Shauor o Aaghi

April-june,2018 Vol.10 Issue,2 Regd.370-S

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute